کیفیاتِ حجِ بیت اللہ

از

(بیگم) ہرمزی جلیل قدوائی

تصریحات و اضافی معروضات

از

جلیل قدوائی

●

ادارۂ نگارش و مطبوعات

سی/۵، کوزی ہومز، گلشنِ اقبال

کراچی ۴۷

(پاکستان)

Marfat.com

DATA ENTERED
24485

(جملہ حقوق محفوظ)

سال اشاعت : ۱۹۸۳ء
تعداد : ایک ہزار
طباعت : انجمن پریس، کراچی
قیمت : گیارہ روپے پچاس پیسے

اپنے مرحوم والدین کے نام

اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں!

مصنفہ کی دوسری کتابیں:-

۱- سرورِ کائنات کے احسانات

۲- کمسن مجاہد اور دوسری کہانیاں

۳- ننھی پروین اور دوسری کہانیاں

"کچھ عرصہ سے میں رسالہ عصمت میں سفرِ حج کے متعلق محترمہ بیگم ہرمزی قدوائی صاحبہ کے تأثرات بڑے شوق سے پڑھ رہا ہوں۔ اُن کے اندازِ بیان کی سادگی اور سچائی نہایت پُرکشش اور قابلِ رشک ہے۔ آپ نے جس صبر و تحمل اور عجز و نیاز کے ساتھ حج اور زیارت مدینۂ منورہ کی منزلیں طے کی ہیں اسی سے غالباً عام حج کو حجِ اکبر کا درجہ عطا ہوتا ہے۔ میری استدعا ہے کہ کسی وقت اگر خیال آئے تو اس بندۂ عاصی کے لیے بھی دعا فرمادیں۔" مراسلہ جناب قدرت اللہ شہاب، ۲۶ مارچ ۱۹۸۳ء، بنام جلیل قدوائی۔

گزارش

یہ مضمون گیارہ قسطوں میں پہلے "عصمت" میں نکلا اور اب کتاب کی صورت میں شائع ہو رہا ہے۔ ناظرین اور بھابی نازلی کی دعاؤں نے "کیفیات حج بیت اللہ" کی تکمیل میں بڑا ساتھ دیا۔

میں اور میرے شوہر قدوائی صاحب اللہ کے حکم سے اکتوبر ۱۹۸۱ء میں حج اکبر کا فریضہ ادا کرنے حرمین شریفین گئے تھے۔ میری عادت ہے کہ اپنی جیب یا ہینڈبیگ میں ایک ڈائری ضرور رکھتی ہوں اور اس میں ہر قسم کے چھوٹے بڑے اور اہم واقعات درج کرتی جاتی ہوں۔ چنانچہ اس سفر مقدس میں بھی میری ڈائری ساتھ رہی۔ جیسی جیسی کیفیتیں مجھ پر گزریں، جن جن مقامات مقدسہ سے گزرنا ہوا یا مختلف ہستیوں سے واسطہ پڑا، جہاں جہاں جس قسم کے واقعات پیش آئے، خرید فروخت کے سلسلے میں مختلف قسم کے جو جو تجربہ ہوئے، غرضیکہ سب ہی کچھ نوٹ کرتی گئی اور اس فریضہ پاک کی ادائیگی کے بعد وطن واپس پہنچتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ بھابی نازلی کی فرمائش کے مطابق قسط وار مضمون "کیفیاتِ حج بیت اللہ" اُن کے پرچہ میں بھیجنا شروع کر دیا۔

خاص "عصمت" کے لئے میں نے یہ مضمون کیوں لکھا، اس کی ایک خاص وجہ بھی ہے اور وہ یہ کہ برادر معظم رازق الخیری مرحوم آخر وقت تک مجھے تاکید کرتے رہے کہ میں مضمون لکھنے سے گھبراؤں نہیں اور "عصمت" کے لئے بلا پس و پیش کچھ نہ کچھ لکھتی رہوں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے قرب میں جگہ دے اور میری اس کوشش کو قبول کرے۔ اللہ تعالیٰ میری کوتاہیوں کو معاف کرے۔ آمین۔

میرے مضمون پر قدوائی صاحب نے بہت سے حواشی اور حج کے دوران میں اپنے ذاتی تجربات اور تاثرات لکھے ہیں۔ یہ سب آخر میں "تصریحات اور اضافی معروضات" کے عنوان سے شامل کر دیئے گئے ہیں۔ اُمید ہے ان سے کتاب کی معنویت میں اضافہ ہوگا۔

سی ۵، کوزی ہومز
گلشن اقبال، کراچی، ۴۷

ہُرمُزی قدوائی

۳۰ اگست ۱۹۸۳ء

Marfat.com

چل دیئے چھوڑ کے سب کچھ جو سُنی اِک آواز ،
خلوتِ خاصؐ سے یہ کس نے پکارا ہم کو؟

(جلیلؔ قدوائی)

کیفیاتِ حج بیت اللہ

۱۹۸۱ء کے حج بیت اللہ کے لئے انتہائی دلی تمناؤں کے ساتھ ہم میاں بیوی نے اسپانسر شپ اسکیم کے تحت حکومت کو درخواستیں دی تھیں، یعنی ہمارے اخراجاتِ حج برطانیہ میں مقیم ہماری بڑی بیٹی ڈاکٹر پروین نے برداشت کئے تھے۔ اس مبارک سفر کا ارادہ تو ہم برس ہا برس سے کر رہے تھے اور جب ۱۹۷۵ء میں ہم سال بھر کے لئے ولایت اور امریکہ گئے تھے تب بھی وہاں جاتے ہوئے یا واپسی پر حج ادا کرنے کا ارادہ تھا مگر سنا ہے حج کا بلاوا اللہ کی طرف سے آتا ہے تو شاید اس سے پہلے ہمارے حج کا وقت نہیں آیا تھا، اس لئے ناکامی ہوئی مگر اب کی بار ہماری دعائیں مقبول ہو گئیں۔ چنانچہ اطلاع ملی کہ ہمیں ۲۲ اگست کو روانہ ہونا ہے اور ۱۲ اکتوبر ۱۹۸۱ء کو وطن واپس آ جانا ہے اور اس کے لئے ۲۴ گھنٹے پہلے جدہ ائیرپورٹ پر رپورٹ کرنا ہوگا۔

یہ اطلاع عین وقت پر یعنی حج پر جانے سے تقریباً ایک ہفتے پہلے ملی تھی۔ ہم دونوں ماہ رمضان گزارنے اور عید کرنے اپنے بیٹے میجر خالد قدوائی اور بہو لبنیٰ کے پاس کوئٹہ گئے ہوئے تھے جہاں میرا یہ بچہ اسٹاف کالج کا کورس کر رہا تھا۔ ان دونوں کی خواہش تھی کہ ہم لوگ اس بار رمضان میں اور عید کے موقع پر ان کے پاس رہیں چنانچہ عید کرتے ہی ہم کراچی واپس آ گئے، اس لئے اور بھی کہ فوراً ہی سارے اسکول گرمیوں کی چھٹیوں کے بعد کھلنے والے تھے اور مجھے مقررہ تاریخ پر اپنے کام پر جانا تھا۔ خیر ضروری متعلقہ کاموں سے فراغت حاصل کر کے میں نے اسکول سے

Marfat.com

دو ماہ کی رخصت لی اور سفر حج کی تیاریاں مکمل کیں۔ گھر کو اپنے چھوٹے بیٹے محمد بختیار (رینس)، کے، جو ڈاؤ میڈیکل کالج میں تیسرے سال کا طالب علم تھا، سپرد کر کے ۲۲ اگست کو علی الصباح گھر سے احرام باندھ کر اور عمرہ کی نیت کے ساتھ نفلیں ادا کر کے لبیک اللھم لبیک کہتے ہوئے ہم کراچی ایئرپورٹ پر پہنچ گئے۔ بختیار سلمہ کے علاوہ منجھلے بیٹے پروفیسر معروف قدوائی (انجینئرنگ یونیورسٹی)، اُن کی دُلہن ڈاکٹر عزیز فاطمہ اور چھوٹی بیٹی تزئین اور داماد اسکواڈرن لیڈر فیروز ہمیں چھوڑنے گئے تھے۔ ہماری خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ نہ جانے کتنا خون تو جب ہی بڑھ گیا تھا جب حج کی سرکاری اطلاع ملی تھی۔ ہماری خوشی کو دوستوں اور عزیزوں کی مبارکبادوں، مٹھائی کے ڈبوں اور احرام باندھنے سے قبل گلاب کے گجروں کے تحفوں نے کئی گنا زیادہ بڑھا دیا تھا۔ ایئرپورٹ پہنچ کر ہم نے فجر کی نماز ادا کی اور جہاز کا انتظار کیا۔

ایئرپورٹ پر گورنر عباسی کی طرف سے عازمین حج کے لئے شاندار ناشتہ اور چائے کا انتظام تھا۔ پرواز سے پہلے قاری شاکر قاسمی کی تلاوت کے بعد گورنر صاحب نے بڑی حوصلہ افزا مبارکبادی تقریر کی اور ہم سب کی صحت کے ساتھ حج کے بعد وطن کو واپسی کی دعائیں کیں۔ پھر پرواز کا اعلان ہوا اور تمام عازمین جمبو جیٹ اسپیشل امریکی طیارے میں لبیک اللھم لبیک بلند آواز سے پڑھتے ہوئے سوار ہو گئے۔ کیا دل فریب سماں تھا کیا نورانی سفید براق احراموں میں ملبوس شخصیتیں تھیں۔ مردوں اور عورتوں سب کی دلی مسرت کا اظہار ان کے پاکیزہ چہروں سے ہو رہا تھا۔ میرے دل کی کیفیت تو ایسی کبھی نہیں ہوئی تھی۔ ایک طرف شوقِ دیدار بیت اللہ اور زیارت روضۂ اقدس حضور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال دل کو بیتاب کئے دیتا تھا۔ دوسری طرف ایک نامعلوم سا خوف طاری تھا کہ جانے مجھ جیسی گناہ گار کا حج مقبول بھی ہوگا یا نہیں ؟ اس لئے کہ نہ تو نماز کبھی پابندی سے پڑھی اور نہ روزے

رکھے البتہ زکواۃ پابندی سے نکالتی تھی اور خیرات حسب منشا دیتی رہتی تھی۔ اپنے دوستوں اور عزیزوں سے پرانے جھگڑوں اور ناراضگی کا خیال بھی ستا تا رہا اور اگرچہ بہتوں سے میں نے معافیاں بھی مانگ لی تھیں پھر بھی نہ جانے کتنے ایسے لوگ رہ گئے تھے جن سے ظاہر ہے معافی نہ مانگ سکی تھی۔ پھر دل کو سنبھال کر تسلی دیتی رہی کہ میں نے حتی الامکان سب کو خوش رکھنے کی ہمیشہ کوشش کی اور جان بوجھ کر کسی کو دکھ نہیں پہنچایا، اللہ سمیع و بصیر ہے۔

حکومت نے ہر ایک عازم حج کے لئے مناسک حج ادا کرنے سے پہلے اور دوران حج کی دعائیں بھجوا دی تھیں اور درود و سلام اور حج کے سلسلے کی دوسری ضروری کتابیں ہم نے خود بھی جمع کر لی تھیں جو قدم قدم پر بڑی کار آمد ثابت ہوئیں۔ بس ان کتابوں کو دیکھ کر مخصوص دعائیں اور درود پڑھتی رہی۔ ساڑھے تین گھنٹے کی پرواز کے بعد ہمارا جہاز جدہ کے ہوائی اڈے پر اترا راستہ بھر جہاز میں لبیک اللھم لبیک کا ریکارڈ بجتا رہا۔ اور عازمین حج اس کی آواز پر لبیک کہتے رہے۔ جہاز ٹھہرا تو سفیر پاکستان مقیم سعودی عرب جناب نجم الثاقب خاں کی آواز سنائی دی۔ آپ نے مائک پر ہم سب کو خوش آمدید کہا اور سب کے حق میں دعائے خیر کی پھر مسافروں نے اپنے اپنے احراموں کو درست کیا، چھوٹے موٹے تھیلے جن میں روزمرہ کی ضرورت کی چیزیں تھیں اٹھائے پی آئی اے کی طرف سے دیئے ہوئے سفید پلاسٹک کے ہینڈ بیگ جو پرس کی طرح ہاتھ میں لئے یا گلے میں لٹکائے جا سکتے تھے اور جن میں ہمارے ضروری کاغذات پاسپورٹ ٹکٹ اور مناسک حج اور دعاؤں والے کتابچے رکھے تھے انہیں سنبھالا اور اب سارے مسافر جہاز سے اتر پڑے۔

یہ دنیا کا سب سے بڑا اور جدید ترین ایئرپورٹ ہے۔ یہاں ہم حاجیوں

Marfat.com

کے مخصوص ٹرمینل پر اُتار دیے گئے۔ اس ٹرمینل کی خاص بات یہ تھی کہ گویا بڑی چھتوں والے دھاری دار بے شمار پختہ خیمے ایک ساتھ نصب کر دیئے گئے ہوں جن کا رنگ اونٹ کی کھال سے مُشابہ تھا۔ ٹرمینل اتنا بڑا تھا کہ شاید بعض شہروں کے مستقل ایئرپورٹ بھی اِتنے بڑے نہ ہوں گے۔ مسافروں اور حاجیوں کی کثرت کے باوجود کشادہ اتنا تھا کہ معلوم ہی نہ ہوتا تھا کہیں ہجوم ہے۔ شاندار وسیع ٹائل کے پختہ فرش کے علاوہ تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر چاروں طرف ہلکے نیلے رنگ کی صوفہ نما بنچیں باقاعدہ بچھی تھیں، جن کے دونوں طرف مسافر بیٹھ سکتے تھے۔ کھانے پینے اور چائے کی ہر طرف دکانیں تھیں۔ جگہ جگہ کولر رکھے تھے جن سے جتنا چاہو برف جیسا ٹھنڈا پانی پیو اور نائلون کی بوتلیں ٹھنڈے پانی سے بھری ہوئی مفت الگ مل رہی تھیں۔ غرضیکہ اس عالیشان ایئرپورٹ کا کیا کہنا جس کے ایک حاجیوں کے ٹرمینل کا یہ حال تھا کہ تصور کرتی ہوں تو اب تک ایک ایک جگہ آنکھوں میں گھوم جاتی ہے۔

تقریباً ڈیڑھ دو گھنٹہ اپنا سامان اکٹھا کرنے اور کسٹم وغیرہ کی ضروریات پوری کرنے کے سلسلہ میں ایئرپورٹ پر گزار کر ہمیں اس کی تلاش ہوئی کہ مکہ معظمہ پہنچنے کے لئے سواریوں کا کیا انتظام ہوگا۔ عربی زبان نہ جاننے کی وجہ سے خاصی دقت ہو رہی تھی۔ پاکستان ایمبیسی کے ایک افسر نے ہم سے کہا تھا کہ ہمیں شہر روانہ کرنے کا انتظام وہ کر دیں گے مگر ہم کسی کو پہچانتے نہ تھے اس لئے ادھر اُدھر مارے مارے پھرتے رہے۔ ہمارا خیال تھا کہ ہمارے معلّم کا کوئی نمائندہ ہمیں لینے ایئرپورٹ پر موجود ہوگا مگر ہمیں کوئی نہ ملا۔ باہر نکل کر بہت سی سرکاری بسیں کھڑی ہوئی نظر آئیں جہاں عازمین حج کا ہجوم تھا اور کسی نہ کسی طرح وہ اپنی اپنی بسوں میں بیٹھ رہے تھے۔ مگر ہم جس بس کی طرف جاتے معلوم ہوتا یہ ہمارے معلّم کی نہیں ہے۔ بسیں تو سرکاری ہوتی ہیں مگر معلم اپنے اپنے عازمین حج کی تعداد اور ان کی آمد کے وقت کے مطابق

بسیں حاصل کر لیتے ہیں۔ ایک بس میں چالیس آدمیوں سے زیادہ نہیں بٹھائے جاتے بہر حال بڑی دقت اور ہمارے معلم کے دوسرے عازمین حج کی چیخ پکار کے بعد ایک نیک افسر نے ایک بس خالی کرا کے ہمیں اس میں بٹھادیا مگر جس آسانی سے میں نے لکھ دیا ظاہر ہے اس آسانی سے ہم سوار نہیں ہوئے اس لئے کہ آپ خود بسوں میں سواریوں کی بھیڑ بھاڑ کا اندازہ لگالیں اور خصوصاً جب بالکل نئی جگہ اور زبان سے ناواقفیت ہو۔ اس لئے اور بھی کہ جب سب کے دل اس وقت حرم کعبہ جلد سے جلد پہنچنے کے لئے بے تاب تھے۔ اور لبیک کا کلمہ تو ہر ایک کی زبان پر جاری تھا ہی۔ سامان رکھوانے کا مسئلہ الگ تھا۔

سب عازمین حج کے ساتھ بستروں کے بنڈل تھے مگر ہم دونوں بغیر بستر کے چلے تھے۔ صرف ایک چھوٹا سا سوٹ کیس ساتھ لیا تھا جس میں حکومت کی ہدایت کے مطابق تین تین جوڑے پہننے کے رکھ لئے تھے۔ قدوائی صاحب تو احرام میں تھے مگر میرے جسم پر ایک جوڑا تھا۔ سر پہ احرام بندھا ہوا تھا اور حکومت کی ہدایت کے مطابق نیلا کوٹ بھی پہنے ہوئے تھی، اگرچہ دوران حج اس کی ضرورت شدید گرمی کی وجہ سے کسی نے محسوس نہیں کی صرف چادر ہی سے کام چلایا۔ اسی سوٹ کیس میں ایک جانماز، ایک دری، ایک گرم شال، ایک دوسرا احرام قدوائی صاحب کے لئے، دو پلنگ کی چادریں، دو تکیہ کے غلاف اور تولیہ بھی تھے۔ کلام پاک قدوائی صاحب کے ہاتھ ہی میں تھا۔ ایک پلاسٹک کا تھیلا تھا جس میں ہماری ضروری دوائیں اور نہانے دھونے کا سامان تھا۔

دو عدد فوم کے گدّے جدّہ ایئرپورٹ پر بھجوانے یا خود لانے کا ہمارے دوست افتخار رشید صاحب نے وعدہ کیا تھا۔ وہ عرب ایئر لائنز سعودیہ کے ایک

Marfat.com

معزز عہدے دار ہیں اور جدّہ میں مقیم ہیں۔ ہم نے انہیں اپنی آمد کی تاریخ اور وقت کی اطلاع دے دی تھی۔ دوسرے لوگوں کے بستر بنڈل دیکھ دیکھ کر میں دل ہی دل میں پریشان ہو رہی تھی کہ اگر خدانخواستہ افتخار صاحب یا گدے لانے والے صاحب نہ آئے (چونکہ حج ٹرمینل پر غیر متعلق لوگوں کا حاجیوں سے ملنا منع تھا) یا دوسرے صاحب ہم کو نہ پہچان سکے تو کیا ہوگا؟ مگر خدا نے فضل کیا بس چلنے ہی والی تھی کہ دفعتاً آواز آئی "جلیل قدوائی صاحب ہوں تو اُتر آئیں"۔ میں نے خوشی سے قدوائی صاحب سے کہا" آپ باہر جائیں، شاید افتخار صاحب کا آدمی آگیا ہے وہ آپ کو پکار رہا ہے"۔ چنانچہ یہ آواز ان ہی کے آدمی کی تھی، وہ عرب تھا مگر اتنی اردو جانتا تھا۔ دونوں کے گدّے ایک چھپی ہوئی چادر میں لپیٹے ہوئے تھے اور نام کا لیبل "جلیل قدوائی" بڑے حرفوں میں بنڈل پر چپکا ہوا تھا۔ اس نے ہمارے حوالے کر کے رسید لی اور اپنی کار میں بیٹھ یہ جا وہ جا۔ ہم نے بنڈل بس کی چھت پر رکھوا دیا۔ اور سکون سے بیٹھ گئے۔

بس چلی تو لبیک اللّٰھم لبیک کا وِرد با آواز بلند سارے مسافروں نے شروع کر دیا۔ جیسے جیسے سفر کی منزلیں طے ہوتی گئیں۔ سورج کی شدّت بڑھتی گئی اور ہماری پیاس بھی۔ ایک بوتل پانی کی جدّہ کے ہوائی اڈے سے میرے ساتھ تھی۔ ایک ایک گھونٹ تھوڑی تھوڑی دیر بعد ہم دونوں اس میں سے پیتے گئے۔ مکہ مکرمہ پہنچنے میں ابھی دیر تھی کیونکہ سفر تقریباً ۷۰ میل کا تھا۔ ظہر کی نماز کے وقت ایک جگہ ڈرائیور نے بس ٹھہرائی اور کہا کہ سب لوگ یہاں اُتر جائیں، وضو کریں اور نماز ادا کریں۔ سامنے مسجد العمرہ ہے۔ یہاں حضور ؐ نے نمازیں پڑھی تھیں۔ لہٰذا سب لوگ اُتر گئے اور انتہائی خلوص اور عقیدت کے ساتھ وضو کر کے نمازِ ظہر ادا کی پھر واپس بس پر سوار ہو گئے، مگر بڑی آپا دھاپی میں چنانچہ میری چپل کسی اور نے پہن لی اور مجھے جو پڑی ملی میں نے پہن لی۔ سب کو ہدایت تھی کہ اپنے کی چپلیں دو جوڑی اپنے ساتھ رکھیں لہٰذا ایک تو گئی دوسری ساتھ رہی۔

Marfat.com

اب پھر سے سب نے لبیک اللھم لبیک کا ورد شروع کر دیا۔ مکہ معظمہ سے تقریباً آٹھ میل پہلے ایک چیک پوسٹ آیا جسے ام الجود بتایا گیا، وہاں بس رکی۔ ایک حبشی بس میں آیا۔ السلام علیکم اہلاً وسہلاً بڑے زور سے سارے مسافروں سے کہا کچھ جانچ پڑتال کر کے چلا گیا۔ غالباً ڈرائیور کو معلم کے گھر کا راستہ نہ معلوم ہونے کی وجہ سے کچھ عربی زبان میں سڑکیں اور گلیوں کے موڑ توڑ سمجھانے کی غرض سے چھوٹے سے دفتر میں لے گیا اور بظاہر یہ کیا جیسے کچھ ضروری پوچھ گچھ کے لئے اسے اندر لے گیا ہے۔ مسافروں کی بھوک اور تھکن سے بری حالت تھی۔ پیاس الگ بے تاب کئے دے رہی تھی۔ میں نے جہاز میں اپنا لنچ نہیں کھایا تھا مگر اسٹیورڈ سے کہہ کر اپنے لئے پیکٹ میں بندھوا لیا تھا۔ اسی میں سے نکال نکال کر تھوڑا تھوڑا خود بھی کھایا اور قدوائی صاحب کو بھی دیا۔ پانی کے چند گھونٹ پئے اور درود شریف کا ورد دل ہی دل میں شروع کر دیا۔

اتنی دیر میں بس دوبارہ چل پڑی اور ایک بار پھر لبیک اللھم لبیک کا زور شور سے ورد شروع ہوا۔ آخر خدا خدا کر کے مکہ معظمہ کی سڑکوں اور گلیوں کے بیسیوں الٹے سیدھے چکر لگانے کے بعد ہمارے معلم مصطفٰے اصغر داولادہ کا دولت خانہ مل گیا۔ سارے مسافروں سے ڈرائیور نے کہا کہ آپ حرم کعبہ کے بالکل سامنے پہنچ چکے ہیں۔ آپ سب کی منزل بھی یہی ہے سامان اتار دیجئے اور مجھے روپیہ دے کر رخصت کر دیں۔ یہ سب اس نے عربی میں کہا مگر ہمیں اس کا مطلب دوسروں سے معلوم ہو گیا۔ روپیہ لینے کا اس کا کوئی حق نہ تھا کیونکہ حاجیوں کے لئے سرکاری بسوں کا انتظام ہوتا ہے اور بلدیہ سے ڈرائیوروں کو تنخواہیں ملتی ہیں مگر وہ بغیر معقول رقم لئے نہ ٹلا۔ میں یہ لکھنا بھول گئی کہ راستہ میں بھی گاڑی بگڑ جانے کے بہانے دیر تک رکا رہا تھا اور تین تین ریال فی کس لئے بغیر اس نے بس نہیں چلائی۔ رقم ملتے ہی بس ٹھیک ہو گئی۔

خیر معلم کے گھر تک جانے والی گلی کے نکڑ پر ہم سب بس سے اترے۔ کچھ

مرد بس کی چھت پر سوار ہو گئے اور سامان اُتار اُتار کر نیچے کھڑے ہوئے مردوں کو پکڑاتے گئے، گویا سب خود ہی مسافر خود ہی قلی تھے۔ سب نے اپنے اپنے بنڈل اُٹھائے اور معلّم کے منشی کے پیچھے ہو لئے جو ہماری بس کے پاس آگیا تھا۔ وہ اردو بول رہا تھا۔

معلّم کے مکان کے احاطہ میں داخل ہوئے تو ہم نے منشی سے پوچھا معلّم صاحب کون ہیں معلوم ہوا وہ چوڑے اور موٹے موٹے سیاہ فام صاحب ہیں جو تخت پر بیٹھے پیچوان منہ سے لگائے، دنیا اور مافیہا سے بے خبر اپنے عرب دوستوں سے باتوں میں مصروف ہیں۔ یہ تخت کیا تھا اچھا خاصا چھ سات فٹ لمبا اور ڈھائی فٹ چوڑا دیوان تھا جو زمین سے تقریباً دو فٹ اونچا تھا اور دیوار سے لگا ہوا تھا۔ ہم نے منشی سے شکایت کی کہ معلّم کا کوئی آدمی ہمیں ایئرپورٹ پر نہیں ملا تو اس نے کہا کہ اوّل تو ہمیں آپ لوگوں کی اس قسم کی کوئی امداد نہیں کرنی ہوتی ہے۔ دوسرے پاکستان ہائی کمشنر نے بھی آپ کے آنے کی کوئی اطلاع نہ دی تھی۔ وہ عورتوں کو جلدی جلدی ہنکا کر بلڈنگ کے اوپر اور مردوں کو نیچے کمرے میں لے گیا۔ صحن میں ایک بہت بڑی پرانی میلی سی بدرنگ دری بچھی ہوئی تھی۔ وہاں ہم سب نے اپنے اپنے سامان کا ڈھیر لگا دیا۔ منشی نے کہا بس ہم آپ کو کھانا کھلانے کے ذمہ دار ہیں اور اس کا انتظام کرتے ہیں۔ اس کے بعد آپ اپنے اپنے مکان تلاش کر کے سامان وہاں اٹھا کر لے جایئے۔

چونکہ عصر کا وقت سر پر آ چکا تھا اور ہم چاہتے تھے کہ فوراً حرم شریف پہنچیں اس لئے ہم نے ناک پر کپڑا رکھ کر اور مجبوراً لائن میں لگ کر معلّم کے گھر کا گندا غلیظ بیت الخلاء استعمال کیا۔ دوسری جانب وضو کرنے کی غرض سے غسلخانے میں قدم رکھا تو ٹخنوں تک پیر پانی میں ڈوب گئے۔ یعنی کہ نالی بند تھی اور پانی وہیں

کھڑا تھا۔ ایک ہاتھ سے شلواروں کے پائنچے سنبھالے دوسرے سے مشکل سے نل سے لوٹا بھرا اور ہیں نے تو چوکھٹ پر ٹک کر وضو کیا۔ پتلی سی چوکھٹ تھی کبھی جسم آگے جھول جاتا اور کبھی پیچھے۔ غرضکہ کسی نہ کسی طرح وضو ہو گیا۔

ہم منشی سے بار بار کہہ رہے تھے کہ ہمیں حرم شریف تک پہنچا دے مگر وہ ٹالتا رہا اور چونکہ کھانا باہر اسی گند سے سند سے آنگن میں بچھی ہوئی دری پر لگ چکا تھا۔ اس نے پہلے ہمیں کھانے سے فراغت حاصل کرنے کو کہا چنانچہ ہم بیٹھ گئے اور جلدی جلدی کھانا کھانے لگے۔ تام چینی کی پلیٹوں میں ایک ایک بوٹی مرغی کی اور ڈھب ڈھب شوربہ کے ساتھ صبح کی پکی ہوئی تنوری روٹیوں کے ٹکڑے جو سامنے رکھ دیئے گئے تھے اللہ کا شکر ادا کر کے کھائے اور کلی وغیرہ کر کے پھر منشی سے حرم شریف لے جانے کو کہا۔ مگر منشی نے گلی کے نکڑ پر کھڑے ہو کر ہاتھ کے اشارے سے حرم شریف کا راستہ بتا دیا اور ہم سب ساتھی ایک دوسرے کے پیچھے قافلہ کی صورت میں سڑکیں پار کرتے ہوئے بیت اللہ شریف میں پہنچ گئے۔ جونہی خانہ کعبہ کی زیارت ہوتی گئی دل کی کیفیت عجیب سی ہوتی گئی بس ایک جذبہ ایک جوش تھا اور ایسی خوشی تھی جیسے کہ اب ہم نے اپنے اللہ کو پا لیا۔

مگر افسوس ہمارے حرم شریف تک پہنچتے پہنچتے عصر کا وقت ختم ہو گیا تھا۔ نماز قضا ہو گئی۔ مغرب کی اذان ہو رہی تھی۔ اور ہم خانہ کعبہ کی زیارت کرتے ہوئے اور اپنے دلوں میں ناقابل بیان کیفیات لئے ہوئے عورتیں عورتوں کی صفوں میں اور مرد مردوں کی صفوں میں جماعت کے ساتھ کھڑے ہو گئے اور نماز پڑھی۔ نماز ختم ہوتے ہی مرد اپنی بیویوں کے پاس آ گئے اور پھر خانہ کعبہ کا طواف شروع کر دیا۔ ہدایت نامہ کے مطابق دعائیں پڑھتے گئے اور طواف کرتے گئے۔

طواف کرتے وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہم زمین پر نہیں بلکہ عرش بریں پر ہیں۔

Marfat.com

اور اللہ تعالیٰ کے گھر کے اردگرد اس امید پر چکر لگا رہے ہیں کہ شاید ہمیں اس کا جلوہ نظر آجائے۔ حجرِ اسود کو بوسہ دیا۔ بوسہ دیتے وقت عجیب حال تھا۔ دل وفورِ جذبات میں سینہ سے باہر نکلا آرہا تھا۔ آنکھوں سے اشک بہہ رہے تھے اور بس ایک ہی خیال دماغ پر چھایا ہوا تھا کہ مجھ جیسے گناہ گار کو بھی اس مقدس پتھر کو چومنے کا موقعہ دیا جارہا ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوا جو حضرت جبرئیلؑ امین کے ہاتھوں سے عرش پر لاتے وقت مس ہوا اور جسے حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ نے نصب کیا۔ سوائے خدا اور رسولؐ کے شکر کے میرے پاس کوئی الفاظ نہ تھے جو دعاؤں کے بعد زبان پر آتے۔ حجرِ اسود کے بوسے تین بار بہت آسانی سے ہم کو مل گئے جو ہماری خوش نصیبی تھی۔ حاجیوں کے جہاز کی پہلی اُڑان سے آنے کا ہمیں یہ فائدہ ہوا کہ ہمارے مکہ مکرمہ پہنچنے تک حاجیوں کی غیر معمولی بھیڑ بھاڑ نہیں ہوئی تھی۔

طواف کے بعد ہم سب نے مقامِ ابراہیمؑ پر دو رکعت نفل شکرانے کے ادا کئے اور اپنوں اور پرایوں سب کے حق میں گناہوں کی معافی مانگنے کے بعد دعائیں کیں اور صفا و مروہ کی پہاڑیوں کا رُخ کیا۔ وہاں بھی ہدایت ناموں میں لکھی ہوئی دعائیں پڑھتے گئے اور سعی کی سعادت حاصل کی۔ سعی کرتے وقت حضرت ہاجرہ کی بے تابی اور ان کے بچے (حضرت اسماعیلؑ) کے رونے اور بلکنے کا منظر سامنے آ جاتا تھا اور دل سے ایک یہی دعا نکلتی تھی کہ الٰہی اس ناچیز گنہ گار سمیت ہر ماں کی اولاد کے حق میں بے قراری سے نکلی ہوئی دلی دُعائیں قبول فرماتے رہنا۔ جس طرح اُن کی مامتا پر تجھے رحم آیا اسی طرح ہر مامتا کو جو تیری ہی عطا کی ہوئی ہوتی ہے قابلِ رحم سمجھ کر اس کی تمنا پوری کرتا۔ میں بھی اولاد والی ہوں میرے بیٹوں اور بیٹیوں کی ضرورتیں بھی اسی طرح پوری کرتے رہنا جس طرح حضرت ہاجرہ کے معصوم بچے (حضرت اسماعیلؑ) کی پانی کی ضرورت کو پورا کیا۔

Marfat.com

غرضیکہ یہ دعائیں کرتے کرتے سعی کے چکر ختم ہوئے۔ خانہ کعبہ سے باہر آئے۔ قدوائی صاحب نے بال ترشوائے۔ میں نے بھی ایک پور بال کسی خاتون سے کٹوائے۔ واپس معلم صاحب کے دولت کدہ پہ آئے احرام کھولا۔ غسل نصیب نہ ہوا۔ مگر عشا کا وقت آگیا تھا پہلے کی طرح مشکل سے وضو کر کے وہیں نماز عشا ادا کی کیونکہ اس وقت سب سے بڑی مشکل گھر کی تلاش کی تھی۔ مرد گھر ڈھونڈنے کے سلسلے میں گفت و شنید میں مصروف ہو گئے پھر باہر چلے گئے۔ عورتیں وہیں دری پہ اپنے اپنے بنڈلوں پر سر رکھ کر دوپٹے اوڑھ لپیٹ کر پڑ رہیں۔

بہت رات گئے مرد واپس آئے تو معلوم ہوا کہ مکان کرائے پر ملنا ناممکن نہیں تو مشکل بہت ہے۔ کرایہ اتنے بڑھے ہوئے تھے کہ زبان پہ ذکر لانے سے بھی جسم میں لرزہ پیدا ہو جاتا تھا۔ اسی وقت فیصلہ یہ ہوا کہ جو لوگ اکٹھا رہ سکتے ہیں وہ مل کر کرایہ ادا کریں تب ہی دوسرے دن معلم کا گھر چھوڑا جا سکتا ہے۔ ادھر معلم اپنے منشی کے ذریعہ (وہ خود تو ہم میں سے کسی سے بات ہی نہ کرتا تھا، کچھ مشکل زبان کی بھی تھی) ہمیں اپنا مکان کرائے پر لے کر موجودہ قیام گاہ سے چلے جانے کا تقاضہ کر چکا تھا اور اس اثنا میں اس کے گھر پہ حاجیوں کا ایک اور بڑا جتھا آ چکا تھا اور ہماری طرح تتر بتر پڑا تھا۔ بڑی مشکل سے ہمیں رات گزارنے کی اجازت ملی اور اتنی عنایت انہوں نے کی کہ کچھ ٹھنڈا کھانا بھی کھلا دیا اور ایک چھوٹا سا کمرہ جو ایر کنڈیشنڈ تھا اور قالینوں سے آراستہ تھا عورتوں کو اس میں سونے کی اجازت دے دی۔ مرد باہر ہی دری پہ سامان کے ڈھیر کے ساتھ پڑ رہے۔

نماز فجر کے بعد ہم خیال مردوں نے جتھے بنائے اور مکانوں کی تلاش میں نکل گئے۔ پھر کوئی بارہ بجے کے قریب واپس آئے۔ ایک ٹرک پر بڑا بڑا سامان رکھوا کر اپنے ایک ساتھی کے ساتھ روانہ کر دیا۔ اور پھر سب نے ہلکا ہلکا سامان

Marfat.com

ہاتھوں میں لیا اور اُس مکان بلکہ کمرے کی طرف چل پڑے جہاں ہم بارہ آدمیوں نے حج کے پورے موسم یعنی صرف ڈیڑھ ماہ کے قیام کے لئے کیوں کہ دس دن تو مدینہ منورہ میں رہنا تھا دس ہزار ریال کرایہ کے طور پر دیئے اور پھر بھی وہاں سے نکالے گئے۔ ایک بہت ہی پرانا محلّہ ہے جیاد، خانہ کعبہ سے خاصا قریب جس کی تقریباً ساری عمارتیں زبان حال سے بتا رہی تھیں کہ ہم کسی بھی وقت دھڑام دھڑام سے گر کر ملبہ کے ڈھیر میں تبدیل ہو سکتے ہیں۔ اس محلہ کی ایک تنگ و تاریک گلی میں بائیں ہاتھ کو مڑے پھر ذرا سا چل کر سیدھے ہاتھ کو ہو لئے۔ وہاں سے پھر بائیں طرف ایک بہت ہی زیادہ تنگ گلی میں دو مکان چھوڑ کر آخری بلکہ سامنے کے مکان میں داخل ہوئے اور اوپر جانے کو ٹیڑھی میڑھی ڈیڑھ فٹ اونچی مڑتی مڑاتی سیڑھیاں طے کرنی تھیں۔ ایک ہاتھ سے گھٹنا اور دوسرے ہاتھ سے سیڑھیوں کو پکڑ پکڑ کر اوپر پہنچے۔ کم از کم پندرہ سیڑھیاں چڑھنے کے بعد ہم بالکل بے حال ہو کر کوئی ۱۰×۱۵ سائز کے کمرے میں داخل ہوئے۔ یہ تھی ہماری قیام گاہ۔

اس قیام گاہ یا کمرے کا کچھ اور حال سنا دوں۔ شکستہ حال کمرہ تھا۔ جس میں اگرچہ تازہ قلعی کرائی گئی تھی مگر ہوا کے لئے ایک وا ٹر کولر کی کھڑکی ٹوٹے پھوٹے پٹوں والی تھی اور ایک چھت کا پنکھا تھا۔ بعد میں ایک عدد ٹیبل فین بڑی مشکل سے مالک مکان نے لا کر دیا تھا جو کبھی چلتا تھا اور کبھی نہیں۔ اس میں سے طرح طرح کی آوازیں نکلتی تھیں۔ کمرے کی دیواروں میں دو ایک بڑے طاق اور چند الماریاں تھیں جن میں بعض میں دروازے تھے، بعض میں نہیں۔ ان میں کچھ چھوٹی موٹی چیزیں رکھی جا سکتی تھیں۔ کمرے کے دروازے سے ملا ہوا ایک بیت الخلا تھا، ایک قدمچے والا اور تھوڑی سی جگہ اور تھی جس کی وجہ سے اُسے غسل خانہ بھی کہئے مگر بیت الخلا فلش کے نمونے کا تھا۔ قدمچہ میں ایک بڑا سوراخ تھا جو نہ جانے کتنی

Marfat.com

گہرائی میں اُترتا تھا کہ اس میں غلاظت ٹھہرتی نہیں تھی۔ اسی میں ایک طرف بڑا ڈرم تھا جس کی ٹونٹی زمین پر تھی ڈونگے سے پانی نکال کر لوٹا بھرنا پڑتا تھا۔ طہارت کے لئے تو انتظام صحیح معلوم ہوتا تھا لیکن وہاں نہانا یا وضو کرنا کسی طرح دل قبول نہ کرتا تھا۔ لہٰذا لوٹا بھر کر غسل خانے کے دروازے کی ایک سیڑھی پہ بیٹھ کر وضو کرتے اور پانی نیچے سیڑھیوں پر بہتا رہتا۔ ہم جانتے تھے کہ پانی خصوصاً وضو کے لئے استعمال کیا ہوا پانی یوں نہ بہنا چاہیئے مگر مجبوری تھی۔

کوئی ڈھائی بجے صبح تہجد کی اذان کے ساتھ گھر سے وضو کر کے ہم میاں بیوی حرم کعبہ کا رُخ کرتے اور پھر فجر کی نماز تک اور قرآن پاک کی تلاوت کے بعد حرم شریف سے باہر آتے۔ ہمارے ساتھیوں نے بھی تقریباً یہ ہی معمول بنا لیا تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ وہ لوگ کمرے پر آکر کھانا پکانا کرتے، برتن بھانڈے ان کے پاس تھے لیکن ہم دونوں نے کھانے اور چائے کا سلسلہ ایک ہوٹل میں جاری رکھا جو راستہ میں پڑتا تھا۔ بعض دفعہ پاس ہی ایک دکان سے ٹھنڈی بوتلیں یا پھلوں کا رس پیتے یا پھل کھاتے، اس طرح ناشتہ کے بعد کمرے میں آکر ذرا دیر کو آرام کرتے اور پھر نہانے کے لیئے کپڑے لے کر حرم شریف یا دن کا کھانا کھانے ہوٹل کی طرف چل دیتے۔

پھر ذرا دیر کے لئے کمرے میں آتے اور ظہر کی نماز کے لئے حرم شریف جا کر عموماً عشا کی نماز کے وقت تک وہاں ہی رہتے۔ نماز کے وقفوں کے درمیان طواف یا کلام پاک کی تلاوت کرتے اور نماز کے بعد حرم شریف سے باہر آکر ہوٹل میں رات کا کھانا کھاتے اور تہجد تک کے لئے آرام کرنے کمرے پر واپس آجاتے۔ مگر اس طرح زیادہ وقت باہر اور حرم شریف میں گزارنے کے بعد اتنے چھوٹے سے کمرے میں جہاں کھانا بھی پکتا ہو یا ۹ مرد اور عورتیں کم سے کم وقت کے لئے بھی کسی طرح ٹھہرتے یا آرام کرتے اس کا صرف اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

جیسا کہ اُوپر لکھ چکی ہوں ہمارے نہانے کا مسئلہ آسان تو ہو گیا کہ حرم شریف میں نہاتے۔ وہاں مردوں اور عورتوں کے نہانے اور وضو کرنے کے لئے الگ الگ غسلخانے ہیں اور ان میں پچاسوں ٹونٹیاں لگی ہوئی ہیں جن سے جتنا چاہو آبِ زم زم لو اور جسم پر بہاؤ۔ مگر وہاں نہانے کی دو شرائط تھیں۔ ایک تو صابن لگانا منع تھا۔ دوسرے کپڑے پہنے پہنے نہانا ہوتا تھا اور سب کے سامنے اور یہ قیدیں سخت معلوم ہوئیں مگر آخر ہم لوگوں نے وہی کیا جو وہاں کا معمول تھا۔

ناشتے اور نہانے کی مزید تفصیل یہ ہے کہ ہم ہوٹل میں جا کر چائے پیتے دودھ والی جسے بتانے کے لئے حلیب کا لفظ استعمال کرنا لازمی تھا ورنہ بغیر دودھ کی چائے ملتی۔ اور اسی کے ساتھ نان پاؤ کھا لیتے۔ وہاں ناشتے پر اکثر لوگ تنوری موٹی یا لمبی سی ڈبل روٹی جسے سمولی کہتے ہیں کھاتے تھے۔ سمولی سادی بھی ہوتی تھی اور پنیر یا قیمہ وغیرہ سے بھری ہوئی بھی مگر قدوائی صاحب کے لئے وہ ذرا سخت ہوتی تھی اس لئے ایک اردو سمجھنے اور بولنے والے دوکاندار سے پوچھ گچھ کر کے ایک بیکری کا پتہ چلایا جو قریب ہی تھی۔ وہاں سے تازہ نان پاؤ شیرمال کے سائز کے جو بہت مزیدار اور نرم ہوتے تھے لینے شروع کر دیئے۔ پنیر کی چھوٹی ڈبیاں اور بسکٹ بھی لے لئے تھے۔

تھوڑا سا ان "بیکر" یعنی نان بائی صاحب کا حال اور ان کے خواص بھی بتا دوں کہ نان پاؤ یا شیرمال کا ذکر زیادہ مزے دار ہو جائے۔ ان صاحب کی خصوصیت یہ تھی کہ فجر کی نماز شاید کبھی نہیں پڑھتے تھے یا پڑھتے ہوں گے تو با جماعت نہیں۔ شاید اپنی بیکری میں ہی پڑھ کر وہیں زمین پر پڑ کر سو جاتے ہوں گے۔ مکہ معظمہ پہنچے ہوئے ہمیں چند دن ہی ہوئے تھے ہم دونوں دو ایک دن ایسے ویسے ناشتے کرنے کے بعد اس بیکری پر فجر کی نماز کے بعد پہنچے تو دیکھا کہ مال تو سب ڈھیریوں میں الگ الگ تھالوں میں رکھا ہے مگر دُکاندار صاحب غائب ہیں۔ اِدھر اُدھر نظر دوڑائی، دکا

24465

کے اندر کی طرف ڈرتے ڈرتے نظر ڈالی کہ ہمیں کوئی چور نہ سمجھ لے تو دیکھا اپنے سال کی میز کے نیچے گھٹری بنے ہوئے خراٹے لے رہے ہیں۔ میں نے تالی بجائی اور پکارا۔ "بیکری والے" اے بھائی ہمیں کچھ خریدنا ہے اُٹھیئے" لیکن وہ نہ اُٹھے۔ آنکھ کھولی گردن اُٹھائی اور جلدی سے نہ جانے کیا کہہ کر ہاتھ کے اشارے سے جیسے ہمیں بھاگ جانے کا حکم دیا۔

ہم دونوں پریشان ہو کر ایک دوسرے کا مُنہ دیکھنے لگے۔ زبان کا مسئلہ الگ تھا اور بھوک کا مسئلہ الگ۔ مایوس ہو کر واپس جانے ہی والے تھے کہ اتنے میں دو چار گاہک آئے، چپکے سے چار نان اُٹھائے اور ایک ریال نانوں کی ڈھیری پر ڈال کر چل دیئے۔ پھر تو ہم نے بھی یہی کیا۔ ایک ریال میں نے جلدی سے اپنے بٹوے سے نکال ڈھیری پر رکھ دیا اور چار نان لے کر چپکے سے ہوٹل چلے گئے۔ وہاں بیٹھ کر دو چائے یعنی چائے کی دو پیالیاں حلیب والی مانگیں۔ ایک نان کے دو ٹکڑے کئے اور چائے سے کھا کر اپنے کمرے میں آ گئے۔ مگر تجربے سے معلوم ہوا کہ ناشتہ کے لئے چار نان ہم دونوں کے لئے ضرورت سے زیادہ تھے۔ ایک دن میں نے دو ہی نان لئے۔ اتفاق سے اس دن نان بائی صاحب جاگ رہے تھے۔ ہم نے اُنہیں نصف ریال دیا" لینے کو تو انہوں نے لے لیا مگر غصہ میں کہا " عزّت احیس" سے ہم نے یہ جانا کہ وہ ہمیں غریب سمجھے کہ اس سے زیادہ رقم نہیں خرچ کر سکتے۔

ناشتہ کے بعد کمرے میں پہنچ کر ہم ایک ایک جوڑا کپڑوں کا لیتے۔ دو الگ الگ تولیوں میں انہیں لپیٹتے اور پلاسٹک کی تھیلیوں میں ڈال کر حرم شریف کا رُخ کرتے۔ کنگھی میرے بٹوے میں ہوتی تھی۔ پہلے میں زنانے غسل خانے میں جاتی جو بڑے ہال کی شکل میں حرم شریف کی سطح سے نیچے تھا۔ اور وہاں پہنچنے کے لئے سیڑھیوں کے ذریعے نیچے اُترنا پڑتا تھا۔ جانے سے پہلے قدوائی صاحب کے

Marfat.com

پاس اپنی عینک اور بٹوہ رکھ کر جاتی تھی اور یہ لکھ چکی ہوں کہ کپڑوں سمیت نہانا
اور وہ بھی اتنی ساری عورتوں کے ساتھ شروع شروع میں تو جھجکی لیکن جب کسی
کام کی مجبوری ہو تو کرنا ہی پڑتا ہے۔ ایک ٹونٹی کے نیچے میں بھی کھڑی ہو جاتی اور
ٹونٹی سے منہ لگا کر آبِ زم زم خوب پی بھی لیتی۔ پیتے وقت جو دعائیں مانگنا چاہتی
مانگتی زیادہ تر اپنی اور بچوں کی صحت برقرار رکھنے کی دعائیں کرتی۔

ان غسل خانوں کی چھتوں میں پنکھے لگے ہوئے تھے۔ غسل کرنے کے بعد
تولیہ سے بال خشک کر کے بدن کے بالائی حصہ پر تولیہ لپیٹی جاتی اور گیلا کرتا اتارتی جاتی۔
احتیاط سے بدن پونچھتی اور سوکھا کرتہ پہنتے وقت خیال رکھتی جسم کا کوئی حصہ کھلا نظر نہ
آئے۔ کرتہ پہننے کے بعد گیلی شلوار نیچے اتار کر دوسری شلوار گیلی ٹانگوں پر پہن لیتی۔ اس
کے بعد گیلے کپڑے ٹونٹی کے نیچے منڈیر پر کھڑے ہو کر خوب کھنگال لیتی اور انہیں نچوڑ
کر تھیلی میں ڈالتی۔ پنکھے کے نیچے کھڑے ہو کر بالوں میں کنگھی کر کے ذرا بھر یر سے ہونے
کے بعد صاف دوپٹہ اور چادر سے سر اور بدن کو اچھی طرح لپیٹ کر غسل خانے سے
اوپر آجاتی اور قدوائی صاحب سے کہتی کہ اب وہ مردانے غسل خانے میں جائیں
اور نہا دھو کر میرے پاس آجائیں۔ جب تک میں تلاوت کلام پاک کرتی اور نوافل پڑھتی
وہ میری عینک اور بٹوہ وغیرہ اور ساتھ میں اپنی دستی گھڑی اور ٹوپی مجھے دے کر اپنے
دھلے ہوئے کپڑے اور تولیہ وغیرہ لے کر اپنے غسلخانے میں چلے جاتے۔ قیام عرب کے
سارے زمانے میں قدوائی صاحب نے اپنی پاکستانی ٹوپی ہی پہنی۔

گرمی بلا کی پڑ رہی تھی اور روزانہ اس طرح نہانے میں بے انتہا لطف آنے لگا
خاص کر جب خوش قسمتی نے آبِ زم زم سے نہانے کا موقع بخشا تو لطف دوبالا ہونا
لازمی امر تھا۔ شروع کا ہفتہ ہم نے اسی طرح گزارا نہاتے دھوتے اور ہوٹل کا کھانا
کھانے کے بعد پھر گھر جاتے۔ گیلے کپڑے سوکھنے کے لئے کمرے میں ہی چھوٹی سی الگنی

Marfat.com

پر اور جگہ کم ہونے کی وجہ سے کبھی ایک دوسرے پر پھیلاتے' اور موقع ہوتا تو ذرا اگر سیدھی کر کے ورنہ ظہر کی اذان ہوتے ہی ہم دوبارہ حرم شریف پہنچ جاتے۔ تجربہ سے معلوم ہو چکا تھا کہ اگر نماز کے وقت سے بہت پہلے نہ پہنچ گئے تو جگہ ملنا مشکل ہو جائے گی اور اسی دقت کی وجہ ہی سے ہم زیادہ تر عشا کی نماز تک' سوا ذرا دیر کے لئے شام کی چائے کے خیال سے باہر آنے کے حرم شریف ہی میں وقت گزارتے تھے۔

ایک دن عصر کی نماز کے بعد طواف ختم کر کے ہم مقام ابراہیمؑ کی طرف بڑھنے ہی والے تھے کہ پیچھے سے کوئی صاحب بہت آہستہ سے "قدوائی صاحب' السلام علیکم" کہتے ہوئے اُن سے لپٹ گئے۔ ہم دونوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ یہ افتخار سیّد صاحب تھے جنہوں نے جدہ ایئرپورٹ پر ہمارے لئے نرم کے گدّے بھجوائے تھے۔ وہ عربی لباس میں تھے اور ان کا سرخ و سفید نورانی چہرہ اُن کی دلی مسرت کا اظہار کر رہا تھا۔ ادھر ہم دونوں کو بھی ایسا محسوس ہوا جیسے ہماری کوئی کھوئی ہوئی چیز مل گئی ہو۔ انہوں نے کہا کہ وہ بھی طواف کر رہے تھے اور انہوں نے طواف کرتے ہوئے ہمیں پہچان بھی لیا تھا مگر ہماری جذب کی کیفیت میں ہمیں مخاطب کرنا مناسب نہ سمجھا۔

غرضیکہ ہم تینوں نے مقام ابراہیمؑ پر نوافل ادا کئے' زم زم پیا پھر مغرب کی نماز ادا کر کے منتشرات بات چیت کی اور طے پایا کہ وہ کل اسی وقت آ کر ہمیں جدہ اپنے گھر لے جائیں گے تاکہ ہم دو ایک دن ان کے پاس رہ کر کچھ آرام کر سکیں۔ گھر کا پکا ہوا کھانا کھا سکیں اور میں خاص طور پر اپنے بال شیمپو سے دھو سکوں۔ ستر میل کے فاصلے سے وہ دوسرے دن پھر مکہ معظمہ آئے اور ہمیں اپنے ساتھ کار میں بٹھا کر جدہ لے گئے ہیں

Marfat.com

جدہ جانے سے پہلے ہم لوگ مدینہ منورہ جانے کی سوچ رہے تھے کیوں کہ مسجد نبویؐ میں کم از کم چالیس نمازیں پڑھنے اور حضورؐ کے روضۂ اقدس پر حاضری دینے کے لیئے دل بے تاب تھا اور حج کے لیئے شروع میں آجانے والوں کو حج سے پہلے ہی اس مرحلہ سے نپٹنا ہوتا ہے۔ مگر ابھی اس سفر کے بارے میں کچھ طے ہو پایا تھا چنانچہ ہم اپنے ساتھیوں سے یہ کہہ گئے کہ وہ ہماری جدہ سے واپسی کا انتظار کریں اس لئے کہ اپنا قافلہ جہاں بھی جائے گا ساتھ ہی جائے گا۔ اس بات پر سب نے رضامندی ظاہر کر دی تھی۔ مگر دو دن بعد جب ہمیں افتخار صاحب مکہ معظمہ واپس لائے تو عجیب تجربہ ہوا۔ مغرب کا وقت نزدیک تھا۔ ہم نے ہوٹل میں اپنے تھیلے جو کپڑوں اور کھانے پینے کی چیزوں سے بھرے ہوئے تھے رکھ کر ہوٹل ہی میں وضو کیا اور حرم شریف جا کر نماز پڑھی۔ جدہ سے عمرہ کی نیت سے احرام باندھ کر چلے تھے چنانچہ نماز کے بعد طواف کیا، مقام ابراہیمؑ پر نفلیں پڑھیں اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی۔ قدوائی صاحب نے باہر نکل کر بال منڈوائے پھر ہم نے ہوٹل واپس جا کر کھانا کھانے کے بعد سامان اٹھایا اور اپنے کمرے کی طرف جانے والی گلی میں مڑنے ہی والے تھے کہ سامنے سے مالک مکان آتا دکھائی دیا۔ اس نے ہمیں روک کر مکان کی چابی دی اور بتایا کہ باقی لوگ مدینہ منورہ چلے گئے ہیں۔ افتخار صاحب نماز اور طواف سے فارغ ہو کر ہمیں دوبارہ جدہ لے جانے کا پروگرام بنا کر واپس جا چکے تھے یعنی وہ ہمارے مدینہ منورہ میں آٹھ دس دن ٹھہر جانے کے بعد ہمیں جدہ لے جانے کے لیئے دوبارہ آتے۔

چابی قدوائی صاحب نے لے لی اور کمرے پر پہنچ کر خاموشی سے تالا کھولا۔ ہمیں تعجب ضرور تھا کہ ہمارے ساتھیوں نے ہمیں تنہا کیوں چھوڑ دیا۔ حج پر آئے ہوئے لوگوں کی طرف سے دھوکہ دینے کا شبہ تو ہو ہی نہیں سکتا تھا مگر

Marfat.com

سوچتے تھے کہ پھر یہ کیا بات ہوئی۔ دروازے پر دیکھا تو ایک کاغذ پر مارکر پین سے لکھا ہوا یہ پیغام تھا "جناب قدوائی صاحب۔ معلم نے ہمیں مجبور کیا کہ مدینہ منورہ جانا ہے تو انتظام موجود ہے فوراً روانہ ہو جائیں ورنہ پھر ہماری طرف سے موقع نہیں ملے گا۔ لہٰذا ہم لوگ آپ کی واپسی کا انتظار کئے بغیر جا رہے ہیں اور معذرت خواہ ہیں۔ چابی مالک مکان کے پاس ہے۔" خیر، خاموش رہنے کے سوا کیا ہو سکتا تھا۔ احرام اتار کر جلدی جلدی کپڑے بدلے پھر وضو کر کے عشا کی نماز کے لئے حرم شریف چلے گئے۔ رات کسی نہ کسی طرح گزاری اور دوسری صبح فجر کی نماز حرم شریف میں ادا کرتے ہی ہم نے مختصر سامان لیا اور پرائیویٹ انتظام سے ایئر کنڈیشنڈ بس کے ذریعہ مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔ مکہ معظمہ میں اپنے ساتھیوں کے بغیر ہمارا جی نہ لگ رہا تھا اور مدینہ منورہ کی یاد بری طرح ستانے لگی۔ ظہر اور عصر کی نمازیں تو راستہ میں پڑھیں لیکن مغرب کی نماز مسجد نبوی میں نصیب ہوئی۔

مکہ معظمہ سے، مدینہ منورہ تک راستہ ہم نے اپنے ساتھیوں کے بغیر طے کیا۔ نئی نئی جگہ یعنی سر زمین عرب پر تنہا سفر کرنے کا یہ پہلا تجربہ تھا۔ عربی زبان سے ناواقفیت کی وجہ سے بھی دل میں کچھ خوف بیٹھا ہوا تھا۔ ہمیں بتایا گیا تھا کہ سرکاری اڈے سے جو حرم شریف کے پاس ہی تھا بس اپنے ٹرمینل تک جائے گی اور وہاں سے ایئر کنڈیشنڈ بسیں چلانے والی کمپنی کے اڈے تک جس کا فاصلہ کوئی ایک میل تھا ہمیں پیدل جانا ہو گا۔ ڈر اس بات کا تھا کہ قدوائی صاحب، دبلے، پتلے، عمر رسیدہ اور میں خود اتنی کمزور، ہم دونوں اپنا سامان اٹھا کے کیسے چل سکیں گے۔ اب تک تو ہمیں دوسرے ساتھیوں سے کچھ مدد ملتی رہی تھی۔ سامان مختصر سہی پھر بھی ایک چھوٹا سوٹ کیس، ایک بستر کا بنڈل اور دو تھیلیوں میں کچھ پھل، خشک میوہ، بسکٹ اور وہی ہمیں "غربت" کا طعنہ دینے والے نان بائی صاحب کے پاس سے خریدے ہوئے چند نان اور

Marfat.com

سامان، گشتو بیز، دواؤں کے پیکٹ وغیرہ بھی تھے مگر عجیب بات یہ ہوئی کہ ٹرمینل پر مسافروں کو اتار کر شہر واپس جانے کے بجائے ہم مدینہ منورہ جانے والے چند لوگوں کے اصرار پر سرکاری بس نے فالتو کرایہ لئے بغیر ہمیں کمپنی کے اڈے تک پہنچا دیا۔ ہم نے خدا کا شکر ادا کیا اور میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ تکلیف کے وقت مایوس ہرگز نہیں ہونا چاہیئے۔ یہی حکم بھی ہے اور خدا اپنے بندوں کی مزید مدد کرتا ہے۔

کمپنی کے اڈے پر ہم نے مدینہ منورہ کے ٹکٹ خریدے۔ کوئی ۹ بجے ہماری بس روانہ ہوئی۔ اور ۲ بجے تک برابر چلتی رہی۔ پھر ایک چیک پوسٹ پر رکی جہاں ہمیں مدینہ منورہ کے علاقے میں داخل ہونے کی غرض سے اٹھ اٹھ ریال ادا کرنے پڑے۔ سب مسافروں کے پاسپورٹوں اور رقم کا داخل کرنا اور رسیدیں اور مہر لگے ہوئے پاسپورٹ واپس لینا، اس کام میں کوئی ڈیڑھ گھنٹہ لگ گیا۔ وہیں ظہر کی نماز ادا کی۔ اس کے بعد بس دوبارہ چلی، بلکہ خوب زناٹے کے ساتھ چلی۔ گرمی بے حد تھی۔ یہاں تک کہ ایرکنڈیشنروں نے بھی جواب دے دیا تھا۔ اس بس میں ایک چھوٹا سا بیت الخلا بھی تھا۔ کوئی ڈیڑھ گھنٹہ بعد بس ایک ہوٹل پر رکی جہاں ہم لوگوں نے جلدی جلدی کچھ کھایا پیا اور راستہ کے لئے پھل وغیرہ خریدے۔ ہوٹل بہت بڑا تھا مگر تعجب اس پر ہوا کہ ہر طرح کا انتظام ہونے کے باوجود وضو اور طہارت کے لئے پانی کا انتظام ناکافی اور نہایت ناقص تھا۔ بلکہ سمجھئے کہ بالکل نہیں تھا اور بڑی تکلیف ہوئی۔ جیسے تیسے ہم نے نمازِ عصر ادا کی اور بس میں سوار ہو گئے۔

اب دھوپ کی گرمی خاصی کم ہو گئی تھی۔ اور ایرکنڈیشنر کام کرنے لگے تھے۔ اس لئے باقی سفر خاصا آرام سے گزرا۔ مسافروں میں سے جو وہاں کے پرانے رہنے والے تھے اور اردو بولنا جانتے تھے یعنی وہ خواتین اور ان کے مرد جو لباس سے عرب معلوم ہوتے تھے اور اس علاقہ سے بخوبی واقف تھے۔ اُن میں سے ایک خاتون

Marfat.com

نے مجھ سے کہا "کھڑکی سے دیکھیے۔ آپ بدر کے میدان کے سامنے سے گزر رہی ہیں" وہ مقدس اور متبرک اور تاریخی میدان مجھے نظر آیا یا نہیں۔ لیکن احتراماً میں نے مرحبا اور اللہ اکبر کہہ کر کھڑکی کی طرف نظر دوڑائی مگر تیزی سے دوڑتی ہوئی بس نے سوائے ایک طول طویل ویرانے، ریت کے ٹیلوں اور سیاہ پہاڑوں کے کچھ نہ دکھنے دیا۔

کہیں کہیں سوکھے بالکل جلے ہوئے کھجوروں کے درخت بس کے دونوں طرف اور میدانوں میں کھڑے نظر آئے، حالانکہ بتایا یہ گیا تھا بلکہ تاریخ کے مطالعہ سے بھی معلوم تھا کہ مدینۂ منورہ کے راستہ میں ہریالی ملتی ہے اور وہ کھجوروں کا شہر کہلاتا ہے۔ چنانچہ یہ سوکھے درخت دیکھ کر مجھے بڑی مایوسی ہوئی اور جگہ جگہ ڈھیر کے ڈھیر بڑی بڑی ٹوٹی پھوٹی گاڑیوں (یعنی موٹروں یا کاروں) کے ان میدانوں میں کباڑ کی صورت میں پڑے نظر آئے جس سے اندازہ ہوا کہ شاید اب یہ مقام حادثوں کے لئے مخصوص ہو کر رہ گیا ہے۔ اس کا بھی احساس ہوا کہ اللہ کے فضل سے عرب میں دولت کی اتنی افراط ہے کہ ٹوٹی پھوٹی گاڑیاں جہاں پڑی ہیں وہیں پڑی ہیں۔ کسی کو ان کو لے جانے کی فکر نہیں ہے۔ اس کے برعکس ہمارے غریب ملک میں ہر چیز کا سونے کے بھاؤ بیوپار کیا جاتا ہے، خواہ وہ ٹوٹا پھوٹا سونا ہو یا لوہا، تانبا، پیتل، شیشہ، لکڑی، ردی غرض کہ ہر قسم کے کاٹھ کباڑ اور گودڑ تک کے لین دین سے منافع کمایا جاتا ہے۔

کسی نے یہ بھی بتایا تھا کہ مدینۂ منورہ پہنچنے سے کچھ پہلے بس میں سے ہم کو سبز گنبد نظر آئے گا۔ تو حقیقت میں حضور ؐ کے روضۂ اقدس کا سبز گنبد نظر آیا۔ اور میں خوشی سے اچھل پڑی۔ میں نے جوش میں آکر قدوائی صاحب کو بلند آواز سے مخاطب کیا بلکہ ان کے کندھے کو ہلایا اور انگلی سے کھڑکی کے سامنے بائیں

Marfat.com

طرف کو اشارہ کر کے چلائی۔ "وہ دیکھیے وہ وہ سبز گنبد نظر آ رہا ہے" اور فوراً درود شریف کا ورد زبان پر شروع ہو گیا۔ آنکھوں میں خوشی کے آنسو بھر آئے۔ پھر کچھ دیر کے لئے سوچ میں پڑ گئی۔ کیا یہ حقیقت ہے یا میں خواب دیکھ رہی ہوں؟ کیا میں اس قابل ہوں کہ حضورؐ کے دربار میں حاضری دے سکوں؟ نہیں مجھے یقین نہیں آ سکتا۔ یہ تو "چہ نسبت خاک را با عالم پاک" والی بات ہوگی۔ نظریں اس سمت سے ہٹانے کو ہرگز جی نہ چاہا، آخر آنکھوں سے اشکوں کا دریا بہ نکلا۔ قدوائی صاحب بھی بے انتہا متاثر معلوم ہوتے تھے مگر دل سنبھالے ہوئے تھے۔[۲۷] زبان پر ان کے بھی تکبیر اور درود شریف تھا۔

سورج ڈھلنے میں کچھ ہی دیر باقی تھی کہ ہم شہر میں داخل ہو گئے اور بس سڑکوں اور گلیوں سے گزرتی ہوئی ایک فٹ پاتھ پر رک گئی۔ سارے مسافر اتر پڑے۔ کنڈکٹر نے عربی زبان اور ہاتھ کے اشارے سے بتایا کہ چند قدم آگے مسجد نبویؐ ہے، جائیے حذا حافظ۔[۲۸] قدوائی صاحب نے کسی نہ کسی طرح بستر کا بنڈل اور سوٹ کیس اور میں نے دونوں تھیلے سنبھالے۔ میری ٹانگیں بالکل سُن ہو چکی تھیں۔ سارے راستے انہیں بس میں کبھی لٹکائے اور کبھی سکیڑے بیٹھی رہی تھی۔ جس کی وجہ سے پاؤں کچھ سوج بھی گئے تھے اور کمر اکڑی ہوئی تھی۔ قدوائی صاحب کا بھی برا حال تھا۔ چیک پوسٹ اور ہوٹل پر تو ہم سامان کے بغیر اترے تھے مگر اب سامان بھی بغل اور ہاتھوں میں تھا، لہٰذا سخت مشکل تھی مگر عشقِ رسول پاکؐ غالب آیا۔ اور اس نے حوصلہ بڑھایا اور ہمارے قدم منزل مقصود کی طرف اٹھتے ہی چلے گئے۔[۲۹]

آخر ہم مسجد نبویؐ تک پہنچ گئے۔ مغرب کا وقت سر پر تھا۔ اور ہمارے سامنے یہ سوال تھا کہ پہلے نماز کے لئے رکیں یا معلم جسے یہاں دلیل کہتے تھے

Marfat.com

لیے پاس جائیں جس کا پتہ بھی تلاش کرنا تھا۔ اگر نماز کے لئے رُکتے ہیں تو سامان سڑک پر کیسے چھوڑا جائے۔ آخر فیصلہ یہ ہوا کہ چونکہ سامان لے کر اور ہم دونوں کے ساتھ ساتھ چلنے کی وجہ سے دیر ہوتی تھی اس لئے میں وہیں روضۂ اقدس کے باہر سامان کے ساتھ زمین پر تنہا بیٹھی رہوں جب تک کہ قدوائی صاحب ہمارے دلیل عبداللہ صیدری کا پتہ لگائیں۔ کئی بار سیڑھی سے اُٹھا اُٹھا دی گئی۔ رہبر مسجد کی پُشت پر ایک طرف بیٹھنے دیا گیا[12] خوش قسمتی سے قدوائی صاحب جلد ہی معلّم کا پتہ معلوم کر کے واپس آئے[13] اور بالکل گھوڑے کی دوڑ مجھے اس کے گھر تک سامان رکھنے کے لئے چلنے کو کہا کیونکہ مغرب کا وقت بالکل تنگ تھا۔ میں پھرتی سے اپنے تھیلوں کے ساتھ قدوائی صاحب کو ان کا سامان پکڑا کر بھاگم بھاگ ان کے پیچھے ہولی۔ کچھ دُور چل کر اور سڑک کو پار کر کے ایک تپلی سی گلی میں ایک بڑی سی پرانی حویلی تھی اس میں گھسے۔ ایک چھوٹے سے قد اور دوہرے جسم کے ایک صاحب[14] نے بمبئی کے لہجہ میں اردو میں کہا سامان یہاں چھوڑ جائیے۔ نماز ادا کر کے آئیے تو آپ کا کمرہ دکھا دیا جائے گا[15]۔ ہم دونوں نے باری باری غسل خانہ استعمال کیا۔ وضو کیا اور آن کی آن میں نہ جانے کہاں سے طاقت آگئی اور ہم مسجدِ نبویؐ پہنچ گئے۔

اندر جانے کا وقت نہیں تھا۔ جماعت کھڑی ہو چکی تھی۔ باہر ہی کچے فرش پر عورتوں کی صفیں کھڑی تھیں۔ ان ہی میں، میں بھی جا ملی اور قدوائی صاحب دوسری طرف مردوں کی صفوں میں کھڑے ہو گئے۔

نماز کے لئے کھڑی تھی اور دل بیتاب ہو رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ مسجدِ نبویؐ کے سنگِ مرمر کے پاکیزہ فرش پر حضورؐ کی امامت میں نماز پڑھ رہی ہوں۔ ابھی اندر جانے اور روضۂ اقدس پر حاضری دینے اور وہاں پہنچ کر درود و سلام بھیجنے

Marfat.com

کا موقعہ نہیں ملا تھا۔ با ہری طبیعت پر عجیب و غریب کیفیت طاری ہو رہی تھی۔ آنسوؤں کا سیلاب تو آنکھوں سے جیسے اُمنڈا چلا آتا تھا۔ جسم میں جوش تھا اور جذبے کے ساتھ ساتھ روح ایک ناقابل بیان سرور سے محظوظ ہو رہی تھی۔

جب نماز ختم ہوئی تو قدوائی صاحب مجھے لینے آ گئے۔ اور ہم دونوں واپس معلم کے گھر پہنچے[۳۴] اُنہوں نے قدوائی صاحب کی عمر کا خیال کرتے ہوئے ہمارے ٹھہرنے کے لئے نچلی منزل میں ایک کمرے کا انتظام کیا اور اپنے مددگار کو ہدایت کی کہ انہیں کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔ چنانچہ وہ ہمیں ایک دوسری گلی میں سے ہو کر ایک بڑی سی کئی منزل کی گرپرانی اور تاریک سی بلڈنگ میں لے گیا۔ پھر ڈیوڑھی سے گزر کر ایک کمرے میں لایا جس میں ایک پرانا اُونی قالین سارے فرش پر بچھا تھا اور اس کے آدھے حصّے میں فوم کے نیلے نیلے گدّے اور پر تلے بہت سی گڈیوں میں رکھے تھے۔ اسی کمرے میں کونے سے آتی ہوئی ایک خمیدہ کمر نہایت ضعیف پٹھان بڑی بی اور اُن کا ایک معتمر بیٹا بھی ٹھہرے ہوئے تھے[۳۵]

جیسے ہی میں نے کمرے میں قدم رکھا معلوم ہوا میرا دم گھٹ جائے گا میں اُلٹے پاؤں باہر آ گئی کیونکہ کمرے میں مجھے کچھ دُھول اور گدّوں کی سخت دھانس محسوس ہوئی ہیں ٹھہری برسوں سے چھینکوں کی مریض۔ ایک لمحہ بھی نہیں گزرا تھا کہ لگاتار چھینکوں کا دورہ شروع ہو گیا۔ منشی میری حالت دیکھ کر سٹ پٹا گیا۔ قدوائی صاحب نے نرمی سے کہہ کر گدّے اور قالین کمرے سے باہر نکلوا دیئے اور جھاڑو منگوائی۔ بھلے آدمی نے ایک عدد نئی رنگین چٹائی جو نائلون سے بنی تھی کمرے میں بچھا دی۔ ہمارے اور پہلے ٹھہرے ہوئے ماں بیٹوں کے لئے چار عدد گدّے اس چٹائی پر بچھا دیئے۔ بال کمرے کی چھت میں ایک بجلی کا پنکھا لگا ہوا تھا اور اندر ایک واش بیسن بھی تھا جس میں نل کے ذریعہ کھڑے کھڑے آرام سے وضو کیا جا سکتا تھا۔ باہر کمرے سے ملا ہوا بیت الخلا تھا اور اس کے کچھ دور آگے ایک

خاصا بڑا غسل خانہ تھا جس میں ٹائلوں کا فرش تھا۔ اگرچہ پرانا تھا لیکن نہ ہونے سے بہتر تھا۔ روزانہ کھلے پانی سے نہایا دھویا جا سکتا تھا۔ غسل خانہ کا دروازہ اندر سے بند نہیں ہو سکتا تھا لہٰذا جب تک میں غسل کر کے باہر نہ آجاتی قدوائی صاحب باہر کھڑے رہتے نہانے کے بعد کپڑے غسل خانے میں دھو کر کمرے میں لے آتی اور ایک الگنی پہ جو جڑی کی لی کے بیٹے سے بندھوالی تھی پھیلا کر پنکھے کے نیچے سکھا لیتی تھی۔

سامان رکھ کر وضو کیا اور ایک ہوٹل میں کھانا کھانے کے بعد سیدھے مسجدِ نبوی میں جا کر نمازِ عشا ادا کی۔ یہ نماز بھی باہر ہی ملی۔ نماز کے بعد پھر اپنی قیام گاہ پر واپس آئے اور پڑ کر سو گئے۔ رات کو مجھے چھینکوں کے ساتھ دمہ کا بھی دورہ پڑ گیا۔ تھیلی میں سے دوائی نکالی اور کھائی ٹلڈ پریشر کی گولی نیند کی گولی غرضیکہ دوائی کا ذخیرہ حلق میں اُتارا۔ چونکہ دن بھر کے مسلسل سفر سے تھکی ہوئی تھی فوراً ہی نیند آگئی۔ تہجد کی نماز تو نہ مل سکی البتہ فجر کی نماز کے لئے مسجدِ نبوی کا رُخ کیا۔ جلدی پہنچ گئے تھے اس لئے اندر چلے گئے۔ اور صدر دروازے کے نزدیک ہی بائیں طرف عورتوں کے بڑے دالان میں بیٹھ گئی۔ قدوائی صاحب آگے ہی آگے بڑھتے ہوئے روضۂ اقدس کے بالکل قریب پہنچ گئے۔ انہیں نماز کے بعد زیارت اور فاتحہ کی سعادت نصیب ہوگئی مگر مجھے موقع نہ مل سکا۔ لیکن کچھ دیر بعد وہ آکر مجھے ساتھ لے گئے اور میں نے ایک ایک مقام کو انتہائی عقیدت سے دیکھا اور معلومات بھی کرتی رہی۔ سبز گنبد کے نیچے حضور سرورِ عالم و انبیا کو سبز چادر میں آرام فرما تے۔ روضہ مبارک کی جالیوں سے دیکھا اور درود و سلام بھیجا۔ حضورؐ کے یارِ غار خلیفہ اوّل سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور خلیفہ دوم اور سرورِ کائنات کے خسر سیدنا عمر فاروقؓ کے مزارات رحمت اللعالمین کے پہلو میں ہیں۔ ان دونوں مقدس مزاروں پہ فاتحہ پڑھی مگر اُسی وقت مجھے وہاں سے جبراً ہٹا دیا گیا۔ پرنم آنکھوں سے مقامِ جبرئیل علیہ السلام کی طرف مڑی جو

Marfat.com

ایک بند دروازہ جو اوپر کی طرف ہے مزار اقدس کے باہر ایک گوشہ میں تھا۔ اسی دروازے سے حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ یہاں بھی دو رکعت نفل پڑھے۔ اپنوں اور پرایوں کے لئے دعائیں مانگیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس مقام پر جو دُعا مانگی جائے قبول ہوتی ہے۔

پہرہ دار کسی جگہ زیادہ دیر ٹھہرنے نہیں دیتے تھے وہاں سے بھی ہٹا دی گئی۔ اصحابؓ صفہ کے سامنے سے گزری۔ منبر حضورؐ سرور کائنات کی زیارت بھی کی، درود و سلام پڑھتی ہوئی دالان سے باہر آئی۔ اسی سے ملے ہوئے دالان میں حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کا مصلیٰ تھا۔ وہاں بیٹھ کر نفل ادا کئے تلاوت کلام پاک کی اور پھر تشنگی لئے ہوئے واپس ہوئی۔ قدوائی صاحب انتظار میں تھے۔ وہ مجھے صدر دروازہ سے باہر لے آئے۔ راستہ میں ہوٹل میں چائے اور ناشتہ سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں پہنچے نہائے دھوئے اور آرام کرنے بیٹ گئے بلکہ سو گئے۔

اب ہمارا معمول ہو گیا کہ پنجگانہ نماز کے لئے اور ممکن ہوا تو تہجد کے لئے بھی مسجد نبوی میں حاضری دیتے، جماعت کے ساتھ نمازیں پڑھتے۔ اپنے اور اپنے عزیزوں اور دوستوں کے لئے دُعائے خیر مانگتے اور اپنے گناہوں کی معافی چاہتے تھے۔ ایک ایک دن اسی طرح گذرتا گیا اور حاجیوں کی تعداد بڑھتی گئی۔

مدینہ منورہ پہنچنے کے تیسرے دن ہم نے وہاں کے قابلِ زیارت مقامات دیکھے۔ مسجد نبویؐ میں فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد باہر آتے ہی سڑک پر ٹیکسی اور ویگن والے زیارت زیارت کی آوازیں لگاتے ہوئے ملتے ہیں اور پانچ ریال فی کس کے حساب سے اپنے لئے آٹھ دس سواریاں جمع کر لیتے ہیں۔ چنانچہ ہم بھی کچھ لوگوں کے ساتھ شریک ہو گئے اور ان مقدس

Marfat.com

مقامات پر زیارت کی غرض سے اترتے گئے جہاں جہاں ڈرائیور اُتارتا گیا۔
ان مقامات کی ترتیب کچھ اس طرح تھی۔

سب سے پہلے جبل اُحد یعنی اُس مشہور پہاڑ پر گئے جہاں جنگ اُحد
لڑی گئی تھی اور پھر جیتی ہوئی جنگ شکست کی صورت میں تبدیل ہو گئی تھی،
اس لئے کہ مسلمانوں کے ایک دستے نے حضورؐ کی تنبیہہ کے باوجود پہاڑ کی مقررہ
جگہ مالِ غنیمت کے شمار سے کے لالچ میں چھوڑ دی تھی۔ دُشمن تو گھات میں تھے
ہی، اُنہوں نے اس موقعہ سے فائدہ اُٹھایا۔ اور پہاڑ کی اسی سمت پہنچ
کر مسلمانوں پر بھرپور حملہ کر دیا اور مسلمان ہار گئے۔ حملہ کرنے والے حضرت خالدؓ
بن ولید تھے جو اُس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور کفار کی فوج کی کمان کر رہے تھے۔

اسی پہاڑ کے نیچے حضرت عبداللہ بن جحش اور حضرت مصعبؓ بن عمیر
کے مزارات ہیں۔ اسی جنگ میں حضورؐ کا ایک دانت شہید ہوا تھا، اور اسی
میدان میں حضرت حمزہؓ حضورؐ کے چاہنے والے چچا سید الشہداء کا مزار بھی ہے
اسی کوہ احد کے لئے حضورؐ نے فرمایا تھا" احد مجھ سے محبت کرتا ہے اور میں
احد سے محبت کرتا ہوں"۔ مزارات کے احاطہ کے اندر جانے کی اجازت نہیں ہے
اس کا جالی دار پھاٹک بند رہتا ہے مگر باہر سے سب کچھ دکھائی دیتا ہے
بس ایک سپاٹ میدان ہے۔ ہم نے باہر کھڑے رہ کر فاتحہ پڑھی اور آگے چلے
جہاں مسجدِ شہداء تھی۔ سیدھی سادھی پرانی وضع کی۔ اس میں دو رکعت نفل پڑھے۔
اب دوسری طرف کچھ دور آگے بڑھے تو مسجد عثمان غنیؓ (ذوالنورینؓ) دیکھی جو
بہت خستہ حالت میں تھی۔ وہاں بھی دو نفل ادا کئے۔ اس کے باہر وہ کنواں بھی دیکھا
جو حضرت عثمان غنی رضؓ نے کھدوایا تھا۔ یہ کنواں بہت گہرا ہے لیکن خشک پڑا ہے اور آگے
بڑھے تو مسجد قبلتین میں گئے۔ قبلۂ اوّل تو نماز کے رُخ کے لئے حضورؐ کی زندگی ہی میں

ترک کر دیا گیا تھا، اب یہاں ایک دیوار پر صرف ایک نشان باقی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کبھی وہی قبلۂ اوّل کی سمت تھی۔ اب تو قبلۂ دوم یعنی مکۂ معظمہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ یہی حضورؐ کی تمنا تھی جسے خداوند کریم نے پورا کیا۔ چنانچہ اسی سمت ہم نے نفل ادا کئے اور باہر آ گئے۔

وہاں سے کچھ دور چل کر سیڑھیوں پر چڑھنا پڑا۔ یہ سیڑھیاں ایک اونچے پہاڑ کو کاٹ کر بنائی گئی ہیں اور مسجد الفتح میں لے جاتی ہیں۔ یہ مسجد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کہلاتی ہے۔ اس میں بھی نفل ادا کرنے کی سعادت حاصل کی اور کھڑے رہ کر نیچے میدان کی طرف نظر دوڑائی تو اس مسجد کی بلندی کا اندازہ ہوا۔ دورانِ جنگِ خندق اس مسجد کی تعمیر ہوئی تھی۔ اسی مسجد کی تعمیر میں حضورؐ خود اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔ صحابۂ کرام نے آپؐ کو ایسا کرنے سے روکنا چاہا مگر آپ برابر شریک رہے۔ خود خندق کی کھدائی میں حضورؐ نے حصہ لیا تھا۔ اس طریقۂ جنگ سے آپؐ کی مورچہ بندی کی اعلٰے قابلیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ پانچ جرنیلوں کی مسجدوں کی جائے وقوع سے بھی جن کا ذکر آگے آتا ہے۔ آپؐ کی جنگی صلاحیتوں کا پتہ چلتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جنگِ خندق کس خوبصورتی سے لڑی گئی ہوگی۔

مسجدِ رسولؐ سے نیچے آکر ہم نے دوسری جانب مسجدِ سلمان فارسیؓ میں نفل ادا کئے۔ مسجد ابوبکر صدیقؓ میں جانے کے لئے سیڑھیاں چڑھنا پڑیں۔ دو رکعت نفل وہاں بھی ادا کئے۔ مسجد عمر فاروقؓ کے منبر کی محراب قدرے لانبی تھی جو شاید ان کے لانبے قد کی یادگار ہے۔ دو نفل یہاں بھی پڑھے۔ مسجد علیؓ میں گئے۔ یہ مسجد چھوٹی سی ہے اور ذرا بلندی پر، اس کے لئے سیڑھیاں چڑھنا پڑتی ہیں۔ اس کے علاوہ مسجد فاطمۃ الزہراؓ سب سے چھوٹی مسجد ہے۔ ان دونوں مساجد میں بھی ہم نے دو دو نفل ادا کئے۔ یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ ان مسجدوں کے دروازوں پر

Marfat.com

ایک پاکستانی خوش نویس نے ان کے ناموں کی تختیاں لگادی ہیں۔ افسوس ہے کہ مجھے اس وقت اِن صاحب کا نام یاد نہیں آرہا ہے[۲۶]

واپسی پر مسجد قبا دیکھی جو بہت شاندار اور نہایت صاف ستھری نظر آئی۔ اس میں ٹھنڈے پانی کا انتظام تھا۔ یہاں سب نے جی بھر کے پیاس بجھائی۔ اس کے دالان اور بڑے بڑے برآمدے سبز قالینوں سے مکمل طور پر ڈھکے ہوئے تھے۔ یہ مسجد عہدِ نبویؐ کی پہلی مسجد ہے۔ اس کی تعمیر میں خود حضورؐ نے اینٹیں اور پتھر اٹھائے تھے۔ عقیدتمند آپؐ کو منع کرتے اور آپؐ ان کی درخواست قبول فرماتے مگر پھر اسی وزن کا دوسرا پتھر اٹھا لیتے۔ اس کے منبر پر ایک گنبد بنا ہے۔ اور اس کے ستون سنگِ مرمر اور سنگِ اسود کے ہیں۔ اس مسجد اقدس میں ہم سب نے نفل ادا کئے اور ربّ العزت کا شکریہ ادا کیا اور اپنی خوش بختی پر نازاں باہر آئے۔ اور ڈرائیور کے اشارے پر اس کی گاڑی میں بیٹھ گئے۔ اس نے ہمیں جنت البقیع پر اُتار دیا۔ اور ہمارا یہ سفر ختم ہوا۔

یہاں بے شمار حاجی عورتیں اور مرد لوہے کے اونچے کٹہرے سے لگے فاتحہ خوانی میں مصروف تھے۔ ایک وسیع احاطہ میں حضرت فاطمۃ الزہراؓ اور دیگر اہلِ بیت ازواجِ مطہرات اور بہت سے صحابہ کرامؓ کے مزارات ہیں۔ سعودی حکومت کی طرف سے اس کے اندر جانا منع ہے، اسی لئے اُسے لوہے کی جالی دار کٹہرے سے گھیر لیا گیا ہے۔ مزاروں کے کوئی نشان نظر نہیں آتے۔ غالباً ہموار کر دیئے گئے ہیں تاکہ قبر پرستی نہ ہونے پائے۔ ہم دونوں نے بھی کٹہرے سے جھانک کر نظر ڈالی اور "السلام علیک یا اہل القبور" کہتے ہوئے فاتحہ کے لئے ہاتھ اُٹھائے۔ اس کے بعد ہم وہاں سے پیدل چل کر اپنی جائے قیام پر واپس آگئے۔ جلدی جلدی غسل کیا،

Marfat.com

کپڑے بدلے۔ وضو کیا اور ہوٹل جا کر کھانا کھایا۔ ظہر کا وقت نزدیک تھا لہٰذا مسجد نبوی کی راہ لی۔

میں نے مدینۂ منورہ کی قابلِ زیارت عمارات اور مساجد کا ذکر کیا ہے لیکن اس سے پہلے مکۂ معظمہ کے قابلِ زیارت مقامات کا ذکر آنا چاہیئے تھا، افسوس کہ اس وقت میں بھول ہی گئی۔ اب لکھتی ہوں۔ مسجد بلال رضؓ کو تو ہم روز ہی دیکھتے وہاں جا کر نہیں کیونکہ وہ نہایت اونچی پہاڑی پر تھی اور چھوٹی سی دور سے بس نور کا ایک ٹکڑا معلوم ہوتی تھی۔ محلہ جیاد میں جہاں ہم ٹھہرے ہوئے تھے وہاں سے خانۂ کعبہ جاتے ہوئے یہ مسجد روز نظر آتی تھی۔ اس کی سمت خانۂ کعبہ کا دروازہ تھا جس سے ہم داخل ہوتے تھے، اس کا نام باب بلال رضؓ تھا۔ باقی مقامات کس طرح دیکھے اس کا حال سنیئے۔

ہمارے ساتھی اتنے نیک شریف اور مہربان لوگ تھے کہ انہوں نے ہر ہر قدم پر ہمیں اپنے ساتھ شریک رکھا۔ ایک صاحب چودھری نور احمد بٹ قلعہ سوبھا سنگھ ضلع سیالکوٹ کے رہنے والے تھے۔ اب ہم دونوں کے مہربان اور ہمارے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ قائم ہے۔ کبھی اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے اب کتابوں کا کاروبار کرتے ہیں۔ ان کی بیوی رحمت بی۔ ایک بیوہ عزیزہ رشیدہ ایک اور میاں بیوی یعنی محمد اسماعیل صاحب اور خورشید بیگم اور ایک باباجی فضل کریم ان کے ساتھ تھے۔ ہم دونوں میاں بیوی لکھنؤ اور دہلی کے رہنے والے اور وہ سب پنجاب کے مگر پاکستان اور حج بیت اللہ کے رشتے نے ہمارے درمیان کوئی دوری یا کسی قسم کی غیریت نہ رہنے دی۔ ہم تو نرم تھے ہی وہ سب بھی بڑے مہربان اور نیک دل نکلے۔ چودھری صاحب کے کچھ شاگرد جو جدہ میں کسی موٹر کمپنی میں ملازم تھے، ان کی آمد کی اطلاع پاتے ہی ان سے ملنے آئے۔ ان

Marfat.com

کے آرام کے لئے قوم کے گدے لائے، مٹھائی اور پھل پھلاری بھی۔ وہ کچھ نہ کچھ لے کر برابر ہی آتے رہتے تھے۔ وہ چودھری صاحب کے پیر بھی دباتے تھے۔ میں نے اس زمانے میں اتنے سعادت مند پرانے شاگرد دیکھے نہ اتنا محبت کرنے والا اُستاد۔

ایک دن چودھری صاحب کے شاگرد اپنی کمپنی سے ایک ویگن اور ایک بہت بڑا کولر اور بہت سی برف لے آئے تاکہ اپنے اُستاد اور ان کے خاندان والوں کو آرام سے مکہ معظمہ کے مقدس مقامات کی زیارت کرادیں۔ چودھری صاحب نے ہمیں بھی اس فریضہ کی ادائیگی میں شریک کر لیا۔ ہم دونوں نے اس دعوت عظمیٰ پر لبیک کہا اور ساتھ ہو لئے۔ حضورؐ کی جائے پیدائش اور حضرت خدیجہؓ کی اقامت گاہ کی تو زیارت سعودی حکومت کی طرف سے ممنوع ہے۔ وہاں تالے پڑے رہتے ہیں۔ باہر سے زیارت کرنے والوں کو بھی سعودی دربان سختی سے بھگا دیتے ہیں۔ سُنا ہے کہ سرور دو عالم کی جائے پیدائش میں وہاں کی حکومت نے ایک لائبریری قائم کی ہے، چنانچہ ان مقامات کی زیارت سے ہم محروم رہے۔ البتہ ویگن جبل نور کی طرف چل دی۔ یہ ایک بہت بلند پہاڑ ہے۔ جس پر اوپر جانے کے لئے پتھریلی زمین کو کاٹ کر سیڑھیاں بنادی گئی ہیں۔ میرے خیال میں چند ہی خوش نصیب ان سیڑھیوں کو طے کر کے چوٹی پر پہنچتے ہوں گے جہاں مشہور غار حرا ہے۔ ہم اور ہمارے ساتھی تو پہاڑ کی بلندی کو دیکھ کر گویا پستی کے غار میں دھنس گئے یعنی اپنی بدبختی سے اوپر چڑھنے کی ہمت نہ ہوئی۔

خدا کی شان ہے کہ اتنے اونچے پہاڑ پر چڑھ کر جسے دیکھ کر ڈر لگتا ہے اور راستہ دشوار راستہ طے کر کے کتنی آسانی کے ساتھ اکثر و بیشتر حضورؐ اپنے محبوب ترین گوشۂ عافیت میں تشریف لے جاتے تھے۔ یہاں آپؐ کئی کئی دن غور و فکر اور تلاش

Marfat.com

حق میں محو رہتے تھے۔ آخر وہ دن آگیا جب کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے حضورؐ کے نام، پیام وسلام شروع کر دیئے۔ اسی غار میں حضورؐ کو اللہ کا کلام پڑھا یا گیا۔ حضورؐ امی تھے اور حضرت جبرئیلؑ کے اصرار پر کہ "پڑھیے" آپؐ نے گھبرا کر فرمایا تھا "میں پڑھنا نہیں جانتا، میں اُمّی ہوں"۔ حضرت جبرئیلؑ نے آپؐ کو اپنے سینے سے لگایا اور بھینچا تو ایک نور ظاہر ہوا۔ اور وہ سورۂ پاک "اقرا باسم ربک الذی خلق ...." آخر زبان مبارک سے ادا کرائی۔ مولانا حالیؔ نے اپنے مسدس میں اس واقعہ کی طرف کتنی سادگی اور خوبی سے اشارہ کیا ہے ؎

اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

یہ نسخۂ کیمیا کیا تھا؟ پیغام الٰہی یعنی کلام پاک جس میں دنیا و دین کے ہر مرض کا علاج موجود ہے اور جس کا یہ آیت ایک حصہ ہے۔ افسوس ہم بد بختوں نے اس نسخۂ کیمیا کو بھلا دیا اور اس سے کام نہیں لیتے۔ غرضیکہ اس شعر کو بار بار زبان پر دہراتی اور اپنی پست ہمتی پر آنسو بہاتی کہ اس برکتوں والے پہاڑ پر نہ چڑھ سکی۔

قدوائی صاحب نے تو اتنا اثر لیا کہ اسی وقت ایک شعر ہو گیا۔ جو اُن کی پوری نظم کے ساتھ "عصمت" میں چھپ چکا ہے۔ یعنی ؎

لاتے ہوئے حرا سے خدا کے پیام کو
جیسے ابھی حضورؐ کو دیکھا ہے سامنے

اس پہاڑ کی بلندی دیکھ کر مجھے اپنا بچپن یاد آگیا۔ جب بھی اپنے والدین کے ساتھ قطب کی سیر کو گئی اپنے بہن بھائیوں سے شرط لگا کر مینار پر تیزی سے سیڑھیاں چڑھتی اُترتی تھی۔ اب غار حرا تک نہ پہنچنے کی وجہ سے مجھے اپنے سن

Marfat.com

رسیدہ ہونے کا بڑا احساس ہوا۔ اور بچپن اور بڑھاپے کا فرق محسوس ہوا۔ اس پہاڑ پر سعودی حکومت کی طرف سے بیمار کمزور اور ضعیف لوگوں کو چڑھانے کا بھی ہے پھر بھی بے شمار جوانوں کے علاوہ کئی بیمار، کمزور اور ضعیف لوگوں کو شوق اور عقیدت میں پہاڑ پر چڑھتے دیکھا۔ ہم نے نیچے ہی بیٹھ کر دو رکعت نفل ادا کئے فاتحہ پڑھی اور درود وسلام بھیجتے ہوئے پرنم آنکھیں لئے ویگن میں آکر بیٹھ گئے۔ ویگن سب ساتھیوں سمیت چل پڑی۔

وہ سرنگ بھی دیکھی جو مکہ معظمہ سے منیٰ کو جاتی ہے۔ یہ حج کے دنوں میں منی کو پیدل جانے والے حاجیوں کی آسانی کے لئے حال ہی میں بنوائی گئی ہے۔ مکہ معظمہ اور منیٰ کے درمیان فاصلہ تین چار میل سے زیادہ نہیں ہے۔ مگر اس سرنگ کی وجہ سے اور کم ہوگیا ہے۔ ویگن رک گئی تو ہم سب سرنگ کے اندر پیدل چل کر گئے اور وہ کھمبے دیکھے جن پر حج کے زمانے میں تینوں شیطانوں پر کنکریاں ماری جاتی ہیں۔ یہ کھمبے نشان دہی کے لئے بنا دیئے گئے ہیں تاکہ سارے مسلمانوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ کس کس مقام پر شیطان نے حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ، حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسماعیلؑ ذبیح اللہ کو خدا کی راہ میں جان کی قربانی دینے کے وقت بہکایا تھا اور انہوں نے کنکریاں مار مار کر شیطان کو بھگایا تھا۔ اس سفر میں چودھری صاحب کے شاگردوں نے ہمیں منیٰ، مزدلفہ وغیرہ کے کھلے میدان بھی دکھائے جہاں حج کے زمانے میں ہر طرف خیمے ہی خیمے لگ جاتے ہیں۔ اور مذبح کی عمارت بھی جہاں لاکھوں مویشیوں کی قربانی ہوتی ہے۔

اب میں پھر مدینہ منورہ واپس چلتی ہوں۔ مکہ معظمہ کے ایک دکاندار یعنی بیکری والے کا تجربہ بیان کر چکی ہوں۔ سنا تھا مدینہ منورہ کے لوگ خلیق ہوتے ہیں، مگر وہاں کے ایک دکاندار کا بھی میرا تجربہ سن لیجئے۔ مسجد نبویؐ سے واپسی پر

Marfat.com

میں نے ایک دُکان سے ایک کلو سیب خریدے۔ پھل والے نے جلدی سے تول کر تھیلی میں ڈالے اور تھیلی میری طرف بڑھا دی۔ میں نے سیبوں کو نکال کر دیکھا تو ان میں سے ایک دانہ خراب تھا۔ میں نے دُکاندار سے کہا "اسے بدل دیجئے، خراب ہے"۔ یہ سنتے ہی اس کا چہرہ غصّہ سے سُرخ ہو گیا۔ سیب کی تھیلی میرے ہاتھ سے چھین لی اور اس میں سے خراب سیب نکال کر اُسے پھلوں کی پیٹی کے کونے پر اتنے زور سے مارا کہ اس کے کئی ٹکڑے اِدھر اُدھر بکھر گئے۔ ساتھ ساتھ چلّاتا رہا "یہ خراب یہ خراب ؟" ہم دونوں پریشان ہو کر اس کا منہ دیکھنے لگے۔ اور اس سے کہا "اچھا لائیے سیب جیسے بھی ہیں"۔ اس پر اُس نے کہا "ہجّا (حاجی جیٖن) دور ہو یہاں اور ہمارے ریال ہمارے آگے پھینک دیئے۔ ہم اپنا سا منہ لے کر کمرے پر واپس آئے اور اس عرب پھل بیچنے والے کی بداخلاقی پر دیر تک افسوس کرتے رہے

مسجد نبوی میں ظہر اور عصر کی نماز کے وقت بہت زیادہ مجمع ہوتا تھا گرمی مکۂ معظمہ سے بھی بڑھ کر ناقابلِ برداشت تھی۔ پنکھوں کی کمی اور ٹھنڈے پانی کی کمیابی الگ۔ مکۂ معظمہ میں ایسا نہ تھا۔ وہاں پنکھوں کی اتنی افراط تھی کہ بہت سے بند بھی رہتے تھے اور زم زم کے خوب ٹھنڈے پانی کی افراط تھی۔ لیکن ان تمام دقتوں کے باوجود عاشقانِ رسولؐ صبر و استقلال کے ساتھ ہنستے مسکراتے نظر آتے تھے۔ ایک دن مسجد نبویؐ میں ایک اور تکلیف دہ تجربہ ہوا۔ نماز کے بعد عورتوں میں اچانک شور سُنائی دیا کہ "جیب کٹ گئی" "جیب کٹ گئی"۔ ایک عورت بلبلا کر روتی جا رہی تھی اور اپنی کٹی ہوئی جیب دکھا رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ پاکستانی خواتین اسے کچھ تسلی دے سکیں یا پوچھ گچھ کریں۔ حبشی نگہبان اور عرب کی ایک عورت جو محافظ کے فرائض انجام دیتی تھی سب یک زبان ہو کر زور زور سے کہنے لگے "باکستانی، باکستانی" (عربی زبان میں پ نہیں ہوتی اس لئے پ وا

لفظ کو یہ بولتے ہیں۔ یعنی جیب کتری ہو نہ ہو کوئی پاکستانی عورت ہی ہوگی۔ حالانکہ وہاں یہ بات عام طور پر مشہور تھی کہ زیادہ تر یمنی لوگ عورتیں ہوں یا مرد جیب کترنے میں مہارت رکھتے ہیں۔ اس وقت اس قسم کی طنز بھری گفتگو سن کر کلیجہ پر گھونسے لگتے رہے۔ میں نے صبر کر کے اپنے دل میں کہا کہ ٹھیک ہے۔ ایک یہ لوگ کیا، پوری دنیا پاکستانیوں کو جھوٹا چور اور بے ایمان کہتی ہے۔ اور اس بدنامی کی ذمہ داری شاید خود ہمارے اعمال پر ہے۔ ویسے اللہ سمیع و بصیر ہے۔ اس کی نظر سے کچھ چھپا نہیں ہے۔ مگر مجھے یقین ہے کہ ہم ہزار برے ہوں کم از کم مسجد نبوی میں کوئی پاکستانی ایسی بد اعمالی کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔

حاجیوں کے قافلے پر قافلے آ رہے تھے۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ مسجد نبوی میں ہر نماز کے وقت تل دھرنے کی جگہ نہیں رہتی تھی۔ مقررہ تعداد چالیس کے بجائے ہماری بیالیس نمازیں مکمل ہونے والی تھیں۔ اور ہمیں مکہ معظمہ واپس جانا تھا مگر ابھی ہماری قسمت میں ایک اور ہولناک تجربہ لکھا تھا۔ آخری نماز عشاء کے لئے ہوٹل میں کھانا کھانے کے بعد ہم دونوں چند منٹ کی دیر سے مسجد نبوی میں پہنچے۔ دیکھا کہ عورتوں کی صفیں بڑے دروازے کے باہر ہی سنگ مرمر کے فرش پر کھڑی ہیں۔ میں بھی اُن میں کسی نہ کسی طرح جا ملی۔ قدوائی صاحب پوری کوشش سے اندر چلے گئے۔ نماز ختم ہوئی اور مجمع چھٹنے لگا۔ مرد اندر سے نکلنے لگے اور ان کی عورتیں ان کے ساتھ ہو لیں۔ یعنی وہ جو باہر تھیں۔ میں صدر دروازے سے کوئی تین گز دور قدوائی صاحب کا انتظار کر رہی تھی کہ اچانک ایک حبشی سپاہی ہاتھ میں بندوق لئے اور فوجی وردی پہنے میرے نزدیک آیا اور مجھے ہاتھ سے پکڑ کر زور سے پیچھے کھسکانے لگا۔ میں نے اس کی حرکت پر بڑی کوشش سے ضبط کرتے ہوئے اس سے احتجاجاً کچھ کہنا چاہا تو اس نے

Marfat.com

لپک کر مجھے اتنے زور سے دھکا دیا کہ میں فرش پر دُور جا کر گر پڑی۔ میرا بٹوہ ہاتھ سے چھوٹ گیا اور نہ جانے کدھر گیا۔ عینک الگ گری۔ گھٹنے اور کہنیاں مجروح ہوئیں اور کتنی دیر تک مجھ پر سکتہ کا عالم طاری رہا۔ میں سمجھ نہ سکی کہ یہ سب کیا ہوا اور کیوں ہوا؟ بڑی دیر کے بعد میرے منہ سے بے ساختہ چیخیں نکلنے لگیں اور میں زار و قطار رونے لگی۔ کچھ عورتوں اور مردوں نے میری چیزیں اٹھا کر مجھے دیں اور سہارا دے کر کھڑا کیا۔

دو ایک عورتیں جو کالے برقعوں میں تھیں۔ مجھے دلاسا دیتے ہوئے عربی زبان میں کہہ رہی تھیں کہ یہ کم بخت بڑے ظالم ہوتے ہیں۔ صبر کرو۔ رجال، رجال کا لفظ چونکہ ان کی زبان پر بار بار آ رہا تھا اور ان کے لہجے سے سخت غصہ اور نفرت کا اظہار ہو رہا تھا اس سے میں سمجھ سکی کہ اگرچہ یہ عورتیں عرب ہیں لیکن انہیں اس حبشی فوجی کا یہ ظالمانہ سلوک جو اس نے میرے ساتھ روا رکھا ہرگز پسند نہیں آیا۔ میں برابر سسکیاں لے لے کر رو رہی تھی۔ کچھ اردو اور پنجابی بولنے والے مرد بھی میرے اردگرد کھڑے تھے بلکہ فوجی کی بندوق کو چھین رہے تھے۔ شاید غصہ میں آ کر اُسے زمین پر تیخ دیتے۔ وہ زور زور سے کہہ رہے تھے کہ تم کس طرح کے مسلمان ہو؟ تمہیں اسلام نے یہی تعلیم دی ہے؟ حضور اکرمؐ جو یہیں تشریف فرما ہیں اور تمہاری حرکت کو دیکھ رہے ہیں وہ عورتوں کو آبگینوں کی مثال فرماتے تھے اور تم آپؐ کے فرمان کے برخلاف یہ حرکتیں کرتے ہو؟ حضورؐ کی مسجد میں کھڑے ہو اور آپؐ کی تعلیم کا کچھ خیال نہیں ہے!" اور اُن کے جی میں جو بھی آیا کہتے ہی چلے گئے۔

اتنے میں دو ایک حبشی آئے اور ان مردوں کو ٹھنڈا کرتے ہوئے اُس فوجی کو فوراً بھگا دیا اور خود معافی، معافی کا لفظ دہراتے رہے۔ ایک اور دربان

جو صحیح معنوں میں عرب تھا یعنی کہ خوش رنگ اور خوش اخلاق بھی تھا۔ انتہائی غمناک صورت بنا کر دردناک لہجے میں کہہ رہا تھا "اِنَّا اللّٰہَ مع الصابرین" یعنی کہ میں صبر کروں اور روؤں نہیں۔ مجمع نے مجھے گھیرے میں لے رکھا تھا اور میرا صرف یہ کہنا تھا کہ "میں اپنے شوہر کا انتظار کروں گی۔ وہ اندر ہیں۔ میں ادھر ہی کھڑی رہوں گی یہ ظالم مجھے چاہے مار بھی ڈالیں۔ وہ مجھے ڈھونڈتے پھریں گے۔ آپ لوگ مجھے تنہا چھوڑ دیں۔"

آخر قدوائی صاحب مسجد نبویؐ سے باہر آتے نظر آئے۔ میں اُنہیں دیکھتے ہی آگے بڑھی۔ وہ مجھے روتا دیکھ کر سخت پریشان ہو گئے اور معاملہ پوچھا۔ میں نے انہیں روتے روتے کچھ بتایا اور کچھ رونے اور سسکیوں کی شدّت سے نہ بتا سکی۔ صرف اتنا ہی کہہ سکی کہ "مجھے آپ کے انتظار میں یہاں کھڑے رہنے کی وجہ سے حبشی فوجی نے دھکا دے کر نکالنا چاہا تھا۔ میں چلی جاتی تو آپ مجھے ڈھونڈنے کے لئے کہاں کہاں مارے مارے پھرتے۔ وہ مجھے باہر سڑک پر کھڑے ہونے کو کہہ رہا تھا۔ وہاں کھڑی ہو جاتی تو دوسرے حبشی دھکا دے کر وہاں سے بھگا دیتے۔"

اِدھر مجمع قدوائی صاحب سے بضد تھا کہ "آپ پاکستانی حکام کے پاس چلیں اور اس واقعہ کی رپورٹ درج کرائیں، ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔" لیکن قدوائی صاحب ان کا شکریہ ادا کرنے کے بعد میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اپنی طبیعت پر قابو رکھتے، مجھے دلاسا دیتے ہوئے خاموشی کے ساتھ مجمع سے باہر آ گئے اور سیدھا اپنے کمرے کی طرف چلے۔ وہاں پہنچ کر اُنہوں نے مجھے بڑے پیار سے لٹایا، بوتل سے پانی گلاس میں اُنڈیلا اور مجھے پلایا۔ پھر اُنہوں نے مجھ سے کہا "مُنزا! میں نے مجمع میں تمہیں اور اپنے کو مزید تماشا نہیں بننے دیا۔ مجھے تمہاری تکلیف بے حد شاق ہے اور بے شک وہ لوگ بھی ہمدردی میں ہی سب کچھ کہہ رہے تھے

Marfat.com

مگر کیا تم پسند کرو گی کہ ایک ہجوم کے ساتھ میں تم کو لئے ہوئے اس ملک میں مارا مارا پھروں۔ تم اپنے ملک میں نہیں ہو اور پاکستانی حکام بھی یہاں کیا کر سکتے ہیں نہ کچھ پھر حج کا فریضہ چھوڑ کر مقدمہ بازی کی طرح لکھا پڑھی، بیانات اور شہادت وغیرہ کا کوئی ٹک معلوم نہیں ہوتا۔ اللہ کو یاد کرو اور صبر کرو۔ تم تو مجھ سے زیادہ بہادر اور تکلیفیں جھیلنے والی ہو۔ اللہ مدد کرے گا۔ اللہ کی راہ میں نکلی ہو۔ خود جانتی ہو، دین کی راہ میں پیغمبروں اور اولیاء اللہ پر کیا کیا گذر چکا ہے اور انہیں کیسی کیسی سختیاں جھیلنی پڑی ہیں۔ تمھیں شکر کرنا چاہیئے کہ تمھارا ابھی امتحان لیا جا رہا ہے۔ صبح تک تمھاری چالیس چھوڑ بیالیس نمازیں ہو جائیں گی۔ اب تم سو جاؤ۔ فجر کی نماز بس اڈے پر ہی پڑھیں گے۔ میں سامان باندھتا ہوں۔ تہجد کے وقت تمھیں جگا دوں گا۔ باقی سامان اس وقت سمیٹ لیں گے۔" مجھے اس گفتگو سے بڑی تسلی ہوئی۔ میں نے نیند کی گولی کھائی۔ تھوڑی دیر میں مجھ پر غنودگی طاری ہوگئی اور میں اپنی جسم کی چوٹوں کی وجہ سے کراہتی ہوئی سو گئی۔ قدوائی صاحب میرا سر دباتے رہے۔ وہ کس وقت سوئے مجھے نہیں معلوم۔

تہجد کی اذان پر قدوائی صاحب نے مجھے جگایا۔ ہم نے وضو کیا اور تہجد کی نماز کمرے ہی میں ادا کی۔ پھر احرام کے ساتھ عمرہ کی نیت کی سامان باندھ کر رکھا اور کمرے سے باہر نکل گئے۔ اپنے ہوٹل پر گئے مگر معلوم ہوا کہ فجر کی نماز سے پہلے کوئی بھی ہوٹل نہیں کھلتا۔ ہاں البتہ ہوٹل سے باہر سڑک کے کنارے کچھ مالاباری چھوکرے گرم گرم چائے حلیب والی بیچ رہے تھے۔ ہماری طرح کے مسافر جو اپنی چالیس نمازیں پوری کر کے مکہ معظمہ واپس جانے کے لئے نکلے تھے چھوکروں سے ایک ایک گلاس چائے پی کر کسی سواری یعنی ٹیکسی کے انتظار میں کھڑے تھے۔ ہم نے بھی ایک ایک گلاس چائے مانگی۔ دام پوچھے تو کہنے لگے تین ریال کا ایک گلاس۔ ہم میاں بیوی ایک

Marfat.com

دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ میں نے ہمت کر کے چھوکروں سے کہا بھئی ایک ایک
ریال کا دودھ والی چائے کا گلاس مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں ہم برابر پیتے رہے ہیں، تم یہ
تین گلاس چائے کی قیمت میں ایک گلاس کیوں دے رہے ہو؟ اس پر چھوکرے
بڑبڑانے لگے۔ قدوائی صاحب اور مسافروں میں سے ایک نے مل کر انہیں ڈانٹا کہ
رسول کے گھر میں تمہاری صبح بے ایمانی سے شروع ہو رہی ہے! تمہیں شرم آنی
چاہیئے۔ کم عمر تھے شاید اسی وجہ سے رعب میں آگئے ورنہ بڑی عمر کے دکاندار تو
جیسا لکھ چکی ہوں الٹا ہم ہی کو ڈانٹتے۔ آخر بچوں نے دو ریال میں دو عدد گلاس چائے
لاکر ہمیں دے دی۔

سواری کا مسئلہ ہمارے ساتھ بھی تھا۔ کمرے سے سامان کیسے لایا جائے
اور بس اڈے تک لے کر کیسے جائیں۔ میں اتنی تھکی اور چوٹ کھائی ہوئی تھی کہ بیمار
سے بدتر اور قدوائی صاحب بھی اپنی طاقت سے زیادہ سامان اٹھانے سے
تھک کر چور ہو جاتے تھے۔ مگر ان ہی چھوکروں میں سے ایک نے کرایہ کی موٹر (؟)
یہیں لاکھڑی کر دی۔ اس نے جو کرایہ مانگا، ہم نے فوراً منظور کر لیا۔ خدا مہربان
تھا۔ ڈرائیور نے ہمارا سامان اٹھا کر گاڑی میں رکھا اور نہ صرف ہمیں ایئر کنڈیشنڈ
بس کے اڈے پر لے جا کر اتار دیا بلکہ وہاں سامان اتارنے میں بھی ہماری مدد کی۔
ہم نے اسے کرایہ ادا کیا اور اڈے کے بڑے ہال میں بنچوں پر بیٹھ گئے۔ صاف
ستھری جگہ تھی۔ اور مسافر کم تھے۔ ایک طرف نماز پڑھنے کا انتظام تھا۔ فجر کی
نماز کے لئے مختصر سی جماعت کھڑی ہونے والی تھی۔ ہم لوگوں کا وضو تو تھا ہی، میں
عورتوں میں اور قدوائی صاحب مردوں کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ نماز کے بعد
ہم نے ٹکٹ بنوائے اور اللہ کا شکر ہے کہ ہمیں مکہ معظمہ جانے کے لئے پہلی ہی
بس میں جگہ مل گئی۔

مدینۂ منورہ سے مکۂ معظمہ جاتے ہوئے بسیں بیرِ علی کے مقام پر کوئی آدھ گھنٹہ رُکتی ہیں۔ یہ مدینۂ منورہ سے کوئی چھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے یہاں حاجی لوگ عمرہ کی نیت سے احرام باندھتے ہیں۔ حضور صلعم نے بھی حجۃ الوداع کے موقع پر یہاں احرام باندھا تھا۔ ہماری بس بھی رُکی اور بہت سے حاجی اُترے۔ مگر ہم نہیں اُترے کیونکہ جیسا لکھ چکی ہوں ہم مدینہ سے احرام باندھ کر عمرہ کی نیت سے چلے تھے۔ بس نے ہمیں راستہ میں ٹھہرتے ٹھہراتے عصر کے قریب مکۂ معظمہ پہنچا دیا۔ چونکہ سفر علی الصباح شروع کیا تھا، موسم کے اعتبار سے راستہ اچھا کٹا۔ ظہر کی نماز راستہ میں پڑھی۔ اس بار بھی ہم سب کے کہنے سے ایئر کنڈیشنڈ بس کے اڈے سے کمپنی والوں نے اپنی ایک دوسری بس سے ہمیں عین خانۂ کعبہ پر اُتار دیا۔

خدا کی شان کہ حرم شریف کی زیارت ہوتے ہی سفر کی ساری تھکن اور خاص کر میری چوٹوں کا درد وغیرہ سب غائب ہو گیا اور ایک نئے جوش و خروش کے ساتھ اپنا سامان اُٹھاتے، راستہ میں رکھتے، پھر اُٹھاتے اپنے ہوٹل تک پہنچ گئے۔ وہاں سامان رکھ کر تازہ وضو کے ساتھ حرم شریف واپس آئے عصر اور مغرب کی نمازیں پڑھیں۔ عمرہ کے ارکان ادا کئے۔ پھر ہوٹل سے کچھ کھا پی کر اپنے کمرے پر پہنچے۔ ہمارے ساتھی جو مکۂ معظمہ سے ہم سے ایک دن پہلے مدینۂ منورہ چلے گئے تھے وہاں ہم کو مل گئے تھے مگر چونکہ ٹھہرنے کی جگہیں الگ الگ تھیں؛ مدینہ میں اُن سے ہر وقت ملاقاتیں نہیں ہوتی تھیں۔ وہ ہم سے ایک دن پہلے اپنی چالیس نمازیں پوری کر کے مکۂ معظمہ پہنچ چکے تھے اور اب ان کا اور ہمارا پھر ساتھ ہو گیا۔

کمرے پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ بلدیہ کی طرف سے پانی کی سپلائی کاٹ دی

Marfat.com

گئی ہے اور مالک مکان کو چوبیس گھنٹوں کے اندر بلڈنگ خالی کرا دینا ہے
کیونکہ بوسیدہ عمارتوں کو فوری طور پر بل ڈوزر سے اُڑا دینے کا فرمان جاری ہوا ہے۔
ہمیں یہ حالات سُن کر سخت تعجب ہوا اور ہم نے مالک مکان سے بحث کرنا چاہی، اور نوٹس یا متعلقہ حکم و کاغذات وغیرہ دیکھنے چاہے۔ مگر اُس نے کہا "یہ پاکستان نہیں ہے سعودی عرب میں ایسے ہی احکام صادر ہوتے ہیں اور ان کی فوراً تعمیل کرنی ہوتی ہے"۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ مسجد حرام میں باجماعت نمازوں اور دیگر ارکانِ دین کی ادائی کے ساتھ ساتھ اتنے مختصر عرصہ میں دوسرا مکان کہاں اور کس طرح تلاش کریں۔ سارے ساتھی پریشان تھے۔ حرم شریف میں عشاء اور فجر کی نمازوں کے بعد آخر صبح صبح مرد حضرات پہلے کی طرح نئی جگہ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے، مگر جیساکہ آگے چل کر معلوم ہوگا اصل میں یہ ایک سازش تھی جس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔ ایک طرف ہم مکان سے نکالے جا رہے تھے اور دُوسری طرف مالک مکان نے ہمارے ساتھ یہ ہمدردی ظاہر کی کہ اپنے چیلے چانٹوں کے ذریعہ ایک سہ منزلہ مکان کا پتہ بتایا۔ جس کی نچلی منزل میں داخل ہوتے ہوئے چند سیڑھیاں چڑھ کر ایئر کنڈیشنڈ ہال تھا جس میں سولہ آدمیوں کو ٹھہرایا جا سکتا تھا۔ بارہ آدمی پہلے ہی سے بسائے جا چکے تھے، چار آدمیوں کی جگہ خالی تھی۔ سب کے گدّے بستر اس طرح بچھے ہوئے تھے جیسے تھرڈ کلاس کے بڑے سے ریل کے ڈبے میں جس کی سیٹیں نکال دی گئی ہوں اور مسافر اپنے سامان کے ساتھ نیچے فرش پر بستر پھیلا کر لیٹ بیٹھ کر وقت گزار رہے ہوں۔ یا پلیٹ فارم پر سونے کے لئے لیٹے ہوں۔ وہیں سامان، برتن اور جوتے وغیرہ بھی تھے۔ اسی ہال سے ملا ہُوا مگر سیڑھیوں سے نیچے اُتر کر ایک طرف کو ایک بڑا سا لکڑی کا کیبن تھا جو میرے خیال میں تو سامان اور کاٹھ کباڑ کے لئے تھا مگر قلعی کرا کے اور روشنی اور پنکھے کے انتظام کے بعد اسے بھی قیام گاہ کے طور پر مخصوص کر

Marfat.com

دیا گیا تھا۔ چنانچہ ہم بارہ ساتھیوں کو اس طرح جگہ دی گئی کہ چار آدمی ہال میں ٹھہرے یعنی ہم دونوں میاں بیوی نیک اور شریف بوڑھے بابا جی جو چودھری صاحب کے ساتھ آئے تھے۔ اور ایک مرد یعنی محمد علی صاحب (نواب شاہ کی پریمیر کاٹن فیکٹری کے مینجر جو بڑی خوبیوں کے آدمی ہیں)۔ دوسرے آٹھ افراد لکڑی کے کیبن میں اتارے گئے جہاں آدھا کیبن تو سب کے سامان ہی سے بھر گیا۔ باقی جگہ میں جو تقریباً تین گز لمبی اور دو گز چوڑی ہو گی وہ لوگ برابر لیٹ بیٹھ کر وقت گزار لیتے کرایہ بہت لڑ جھگڑ کر اس مالک مکان نے بارہ ہزار ریال لیا۔ ظاہر ہے کہ کم مدت کا تھا کیونکہ اتنے دن ہم پہلے کمرے میں گزار چکے تھے مگر کرائے حج کا وقت آنے کی وجہ سے بڑھ رہے تھے۔ پچھلے مالک مکان نے یہ عنایت کی کہ جو پیشگی رقم ہم سے لی تھی اس میں سے دس دن کا کرایہ کاٹ کر باقی رقم واپس کر دی پھر بھی زیادہ ہونے کے علاوہ ہمیں شروع کے دس دن کا کرایہ دو جگہ ادا کرنا پڑا۔

بعد میں پتہ چلا کہ یہ سارا کھیل اپنے پاکستانی بھائیوں ہی کا تھا جو ہم جیسے سیدھے سادھے لوگوں کو خدا کے گھر میں بھی لوٹ کھسوٹ کر مالدار بن رہے تھے۔ عازمین حج کی تعداد روز بروز بڑھ رہی تھی اور ظاہر ہے کہ سب لوگ ہر قیمت پر حرم کے نزدیک ہی مکان چاہتے تھے اس لئے مکان والے نے ہم کو نکال کر دوسرے لوگوں کو اس سے بڑی رقم لے کر بسا دیا۔ یہ لوگ کرتے یہ ہیں کہ کسی طرح حج کے زمانے سے کچھ پہلے آکر عرب مکانداروں سے سارے موسم کے لئے پوری پوری عمارتیں یک مشت روپیہ دے کر اپنے نام کرا لیتے ہیں۔ اور حج کے دوران ان ہتھکنڈوں سے اپنی ادا کی ہوئی رقم سے کہیں زیادہ وصول کر لیتے ہیں اور عازمین حج مجبوریوں کے تحت ان کی سخت سے سخت شرائط مان لیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو رقم باقی رہ جاتی ہے اُسے بہت سنبھال کر خرچ کرنا پڑتا ہے کیونکہ سعودی عرب کی بے پناہ

Marfat.com

نی کو دیکھتے ہوئے انہیں اپنی خوراک، دوا دارو، سفر حج اور قربانی وغیرہ کے لئے حج کے بعد ایئر پورٹ تک پہنچنے کے لئے اس محدود رقم میں سے جو سعودی رب میں قیام کے لئے پاکستانی حکومت حاجیوں کو دیتی ہے روپیہ روکنا پڑتا ۔ لہٰذا ہم بھی تنگی ترشی سے گزارا کرتے رہے۔ اور ایک ایک دن گن گن کر رتے رہے کہ کب وہ مبارک دن آئے کہ ہم سفر حج پر جائیں۔

اس مکان میں آنے کے بعد قدوائی صاحب کو شدت سے بخار اور انسی نے آن دبوچا تھا۔ اِدھر چودھری صاحب کے مثانہ کی پتھری نے درد کھڑا یا۔ اس تکلیف کے علاوہ ان کے دونوں پیر سوج کر من من بھر کے ہو گئے۔ تھ ہی بخار نے بھی گھیر لیا۔ بیوی ان کی دمہ کی دائمی مریضہ تھیں۔ محمد علی صاحب اور ین صاحب مریضوں کو کسی نہ کسی طرح ساتھ لے جا کر پاکستانی اسپتال کے چکر لگاتے وائیں لاتے اور ان کی دیکھ بھال کرتے۔ میرے پاس جو دوائیں تھیں ان میں سے انسی بخار والے مریضوں کو دیتی رہی اور اسی حالت میں ہم سب حج کی مبارک ڑی کے آنے کا انتظار کرتے رہے۔

ہاں اس پوری سہ منزلہ عمارت میں ہماری جگہوں سمیت اوپر نیچے سب ملا کوئی پانچ یا چھ بڑے ہال تھے جن میں ساٹھ ستر افراد ٹھہرائے گئے تھے۔ ہم پہلی والی منزل میں تھے جہاں غسل خانہ اور بیت الخلاء اسی نمونہ کا تھا جیسا پہلے والے کرایہ کے کمرے کا تھا جس سے نکل کر ہم یہاں آئے تھے۔ فرق یہ تھا کہ اس میں نل تھا اور شاور لگا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ ایک چھوٹا سا واش بیسن باہر لگا ہوا تھا جس میں وضو کر سکتے تھے اس جھوٹی سی انگنائی میں ایک بڑا سا پرانا فرج بھی رکھا تھا جس میں سب لوگ اپنا اپنا آبِ زمزم بوتلوں میں بھر بھر کر ٹھنڈا کر لیتے تھے۔ ایک نئی بات یہاں یہ دیکھی کہ مکان کے باہر سڑکوں کی صفائی کرنے والے

Marfat.com

سپاہی یا جمعدار جو مسلمان ہی تھے وہ بھی اپنے کام سے فارغ ہو کر اسی اکلوتے غسل خانے کو استعمال کر لیتے تھے اور فریج سے چاہے کسی کا بھی ٹھنڈا پانی رکھا ہو نکال لیتے تھے۔ مالک مکان کا منشی یا وہ خود کسی ایسے شخص کو دیکھ لیتا تو ڈانٹ کر بھگا دیتا تھا مگر یہ اندازہ بھی ہوا کہ مکان دار بلدیہ کے ان آدمیوں سے ڈرتے تھے کہ کہیں وہ باہر گندگی اور غلاظت پھینکنے کے بہانے جرمانہ نہ کرادیں۔

خیر میں نے تو اپنی پاکیزگی اور طہارت کے خیال سے مکان دار سے کہہ کر لکڑی کی ایک چوکی منگوالی تھی یا اس نے اسی وقت بنوادی تھی۔ اس پر کھڑے ہو کر روزانہ صبح کو سب سے پہلے شاور سے نہالیتی تھی۔ لوگ میرا مذاق اُڑاتے کہ یہ بیگم صاحبہ منا ہیں بغیر نہائے کیسے رہیں گی۔ اور بعض اس لئے ہنستے تھے کہ میں ہر وقت کمرے میں صفائی رکھنے کا سبق دیتی رہتی تھی۔ اِدھر اُدھر تھوکنے کو بھی منع کرتی رہتی تھی۔ وہ لوگ کبھی تو بہرے بن جاتے اور کبھی مجھے ڈانٹ ڈپٹ کر خاموش کرنے کی کوشش کرتے مگر میں اُنہیں سمجھا بجھا کر اکثر اُن پر حاوی ہو جاتی تھی۔ قدوائی صاحب بخار اور کھانسی میں مبتلا چپکے پڑے پڑے ان باتوں کو دلچسپی سے سنا کرتے کبھی مجھے منع بھی کرتے کہ ان لوگوں سے اُلجھنے سے کوئی فائدہ نہیں۔

ایک دن وہ منہ لپیٹے بخار میں پڑے تھے کہ میں نے اپنے بستر کی طرف ایک چھپکلی آتے دیکھی۔ میں کیڑوں مکوڑوں خاص کر چھپکلیوں سے بہت ڈرتی ہوں اور گھن کی وجہ سے میرے بدن میں جھرجھری آجاتی ہے۔ میں اُسے دیکھ کر بہت گھبرائی اور میری چیخ نکل گئی۔ میں چلائی "مجھے اس سے ڈر لگتا ہے"۔ سامنے ہی سامنے بیٹھے ہوئے بڈھوں سے کہا "اسے مارو، اسے مارو!" سارے کمرے والے کھل کھلا کر ہنسنے لگے اور کہنے لگے "کیسے مارو، کیوں مارو؟" ایک بڈھا میری نقل کرنے لگا۔ "مجھے اس سے ڈر لگتا ہے!" میں نے کہا "خدا کے

چھپکلی کو مارو۔ وہ تم لوگوں کے برتنوں کے پیچھے چھپ گئی ہے۔" لیکن بڈھے
ایک ساتھ بولے "نو" اور سنو۔ چھپکلی سے ڈریں یہ۔ ماریں ہم۔ ہم کیوں ماریں؟
تمہاری خاطر ہم اپنا حج خراب کریں؟ ہم نہیں مارتے!!
آخر ایک بڑے میاں کو مجھ پر ترس آگیا اور انہوں نے چھپکلی کو ڈھونڈھ
کر اپنی چپل سے مار ہی دیا۔ میں نے شکریہ ادا کرتے ہوئے اور ان سب کو خوش
کرنے کے لئے ان ہی لوگوں کی جھاڑو اٹھائی اور ان کے برتن ہٹا کر مری ہوئی چھپکلی
کو پھینکا اور فرش بھی صاف کر دیا۔ اب وہ لوگ بالکل نرم پڑ گئے۔ تب میں نے
انہیں یاد دلایا کہ ایذا پہنچانے والے کیڑوں یا جانوروں کو مارنے سے حج خراب
نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ صفائی نصف ایمان ہے۔ یہ رسول اکرمؐ کا فرمان ہے
حضورؐ کو صفائی پسند تھی۔ ہم سب کو صفائی سے چاہت ہونی چاہیئے۔ یہ سن کر
سارے لوگ میرے حامی بن گئے اور سب نے کمرے کی صفائی شروع کر دی۔
ہوتے ہوتے آخر حج کا وقت آن پہنچا۔ خدا کا شکر ہے کہ تدوانی صاحب
اور چوہدری صاحب بھی اس وقت کچھ صحت مند ہو گئے تھے۔ معلم کے حکم کے
مطابق ۷ ذی الحجہ کو بعد نماز عشا منیٰ جانے کے لئے ہمیں معلم کے گھر پہنچنا تھا۔
چنانچہ ہم سب نے اپنے پہلے ہی مختصر سے سامان کو اور مختصر کیا یعنی سب چیزیں
وہیں چھوڑ کر صرف دو جوڑے کپڑوں کے علاوہ کھانے پینے کی اشیاء مثلاً ڈبل
روٹی، پنیر، بسکٹ، خشک دودھ، کچھ پھل وغیرہ اور بغل میں چٹائی اور ٹشو پیپر کے
دو ایک ڈبے ساتھ لئے اور پیدل مارچ کرتے ہوئے معلم کے گھر پہنچ گئے۔
وہاں سے بھیڑ بکریوں کی ریوڑ کی طرح اس کے اردو بولنے والے منشی نے ڈانٹ
کر ہمیں گھر کے باہر سڑک پر کھڑی ہوئی بسوں میں سے کسی میں بھی گھس جانے کے
لئے کہا اور ہم سب بارہ ساتھی دھکا پیل کر کے بس کے اندر گھس گئے۔ محمد علی صاحب

Marfat.com

اور لیسین صاحب نے بس کی چھت پر چڑھ کر سامان رکھا۔ ہمارے ساتھیوں نے دو ایک کولر اور کچھ کھانا پکانے کے برتن اور چولہے وغیرہ بھی ساتھ لے لئے تھے۔ مگر ہم ریڈی میڈ کھانوں پر اکتفا کرنے کے عادی تھے۔ لہٰذا ہم نے وہ غم ہی نہیں پالا۔ البتہ پلاسٹک کا ایک جیری کین، لوٹا اور گلاس ہر وقت ساتھ رہا۔ جیری کین میں بھرنے کے لئے آب زم زم ہمارے ساتھی حرم کعبہ سے لا لا کر دیتے رہے تھے، وہی آخری آب زم زم ہمارے ساتھ تھا جو منیٰ میں ہمارے کام آیا۔

تقریباً ایک ڈیڑھ گھنٹے کے سفر کے بعد ہم سب "عبدالعزیز برج" پر اُتار دیئے گئے۔ اس سے آگے بس کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔ وہاں سے اتنا بڑا بوجھ پاچھتا، ہانپتا کانپتا، سامان لادے حاجیوں کی بھیڑ بھاڑ میں ہمارا قافلہ ڈیڑھ دو فرلانگ کا فاصلہ طے کرتا ہوا منیٰ کے میدان میں جا داخل ہوا۔ یہ وہی میدان تھا جو ہم کچھ دن پہلے جیسا کہ لکھ چکی ہوں بالکل غیر آباد اور ویران صورت میں دیکھ آئے تھے، مگر اب یہاں ہر طرف انسانوں کا جم غفیر تھا، ہوٹل تھے، پانی اور کیچڑ کا سامنا تھا، وغیرہ۔ رات کا وقت تھا مگر روشنی پھیلی ہوئی تھی ہر طرف خیمہ ہی خیمہ لگے ہوئے تھے پھر بھی اپنے معلم کے خیموں کا پتہ چلانا بہت دشوار معلوم ہو رہا تھا معلم کا کوئی آدمی بھی ہمارے ساتھ نہ تھا۔ مگر جب ہم اپنے خیموں کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہاں پہنچے تو معلم کے منشی کو موجود پایا۔ آخر ایک خیمہ میں ہم نے اپنی چٹائیاں بچھا دیں۔ اور سامان کے تھیلے اور ٹوکریاں وغیرہ سرہانے رکھ کر لیٹ گئے۔ تکیہ کی جگہ سامان کے تھیلے ہی رکھ لئے تھے۔

گرمی بے انتہا تھی۔ ہمارے ساتھیوں کے پاس کچھ دستی پنکھے تھے۔ ایک پنکھا ان سے ہم نے مانگ لیا۔ حج کے احکام کے مطابق چاہیئے تو یہ تھا کہ ہم ۸ ذی الحجہ کو فجر کی نماز خانہ کعبہ میں ادا کرنے کے بعد اپنے کمرے پر واپس جا

ہم اگر احرام باندھنے اور طلوع آفتاب سے پہلے مکہ معظمہ سے منیٰ کے لئے روانہ ہوتے لیکن معلّم صاحب کی کرم فرمائی کہیے یا ان کا حُسنِ انتظام ان کے حکم کے مطابق ہم ایسا نہ کر سکے۔ بلکہ ایک رات پہلے ہی چل کر معلّم کی بسوں نے ہمیں اُسی رات منیٰ پہنچا دیا۔ ہمیں بتایا گیا کہ مسافروں کے ہجوم اور بسوں کے ملنے میں دقت کی وجہ سے ایسا کیا جاتا ہے اور معلّم کے کہنے کے مطابق منیٰ مقررہ وقت سے پہلے پہنچ یا آگے عرفات وغیرہ میں بھی وقت کی تھوڑی بہت عدم پابندی ہو جانے سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ اس کا فتویٰ دیا جا چکا ہے۔ بہرحال اللہ کو ہماری مجبوریاں معلوم تھیں۔ اور اگر اس معاملے میں ہم سے کوئی غلطی ہوئی ہے تو مجھے یقین ہے وہ معلّم کے ذمّہ لکھی گئی ہوگی۔ کیونکہ ہم سب اُس کے رحم و کرم پر تھے۔ خدا سے دعا ہے جس کی بھی غلطی ہو وہ معاف فرمائے اور اگر کوئی غلطی نہیں ہوئی ہے تو اس کا احسان ہے۔

خیمے قطار در قطار لگے ہوئے تھے۔ یہاں اپنے پرائے کی تمیز ختم نظر آتی تھی۔ اور خیموں کے چاروں طرف قناتیں نہیں ہوتیں۔ میں بڑی احتیاط سے چادر لپیٹ کر لیٹی تھی۔ مگر درمیان میں آنکھ کھلی تو معلوم ہوا ساتھ والے خیمہ کا کوئی تین برس کا بچہ میری بغل میں پڑا سو رہا ہے۔ اور تو اور بچے کے باپ بھی جو چوبیس پچیس برس کے ہوں گے اُن کا سر میرے سر سے ٹکرایا ہوا ہے۔ حالانکہ جب میں لیٹی تھی تو وہ کہیں نظر نہیں آتے تھے۔ میں چونک پڑی اور اس خیال سے کہ سوئے ہوئے لوگوں کو بے چین کرنا جائز نہیں میں قدوائی صاحب کی طرف لڑھک گئی۔ اُدھر سے دباؤ پڑتا تو ادھر ڈھلک جاتی اور ادھر سے بے خبری میں دبائی جاتی تو بچے کی طرف احتیاط سے کھسک لیتی۔ غرضیکہ فجر کے وقت تک اسی طرح لڑھکتے پڑھکتے ہی گذر گئی۔

فجر کی اذان پر سب لوگ اُٹھ پڑے اور غسلخانوں کی طرف چلے۔ پھر ضروریات سے فارغ ہو کر وضو کیا اور خیموں میں جماعتیں کھڑی ہو گئیں۔ نماز ادا ہوئی کچھ دعائیں پڑھیں،

Marfat.com

درود سلام اور قرآن پاک کی تلاوت ہوئی۔ اس کے بعد ہماری ساتھی عورتوں نے کھانا پکانے کی مقررہ جگہ جاکر جائے بنائی ۔ پراٹھے پکائے اور اپنے خیموں میں واپس آکر اپنے مردوں کے ساتھ کھایا پیا۔ میں نے ٹھنڈے پانی میں فوری طور پر گھل جانے والی کافی، دودھ اور چینی گھولی اور ایک ایک پیالی ہم دونوں نے پی۔ ڈبل روٹی، بسکٹ، پنیر اور سیب وغیرہ کا ناشتہ کیا [۵۲]

معلم صاحب کے انتظام کے مطابق ۸ رذی الحجہ ہی کو ہم عرفات کے لئے روانہ ہوگئے۔ اگرچہ قاعدہ کے مطابق ۹ رذی الحجہ کو طلوع آفتاب کے بعد روانہ ہونا تھا۔ یہ بھی معلم کی اسی مجبوری کی وجہ سے ہوا جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ منیٰ سے بسوں میں سوار ہوتے ہوتے مغرب ہوگئی۔ چنانچہ عشاء سے کچھ پہلے ہم وہاں سے چل سکے۔ بسوں میں بٹھاتے وقت معلم کے منشی نے اعلان کیا کہ صرف بوڑھے اور بیمار مرد بسوں میں خواتین کے ساتھ بیٹھ سکتے ہیں۔ باقی تندرست اور جوان مرد بسوں کی چھتوں پر سامان چڑھائیں اور وہاں ہی بیٹھ جائیں۔ یہ سنتے ہی ہر عورت اپنے مرد کو دل کا مریض یا بلڈ پریشر میں مبتلا بتانے لگی۔ ہمارے ساتھیوں میں چودھری صاحب سرجھے ہوئے پیروں کے ساتھ بس میں کسی کا سہارا لئے بغیر چڑھ نہ سکتے تھے۔ قدوائی صاحب بھی ظاہر ہے کہ بخار اور کھانسی کی وجہ سے انتہائی کمزور اور لاغر ہوگئے تھے۔ دواؤں کے استعمال سے کچھ سنبھل گئے تھے ورنہ سمجھئے وہ اب بھی بیمار ہی تھے۔ میں پہلے ہی بیان کر چکی ہوں کہ چودھری صاحب کی بیوی دمہ کی مریضہ تھیں اور جسمانی طور پر بھی وہ نہایت ناتوان تھیں۔ ہمارے ساتھ کے صحت مند مرد بس کی چھت پر چڑھ چکے تھے۔ قدوائی صاحب چاہتے تھے کہ پہلے ہی بس میں سوار ہو جاؤں بعد میں وہ اور چودھری صاحب بیٹھ جائیں گے۔ مگر دوسری خواتین جو اندر گھس رہی تھیں یا اپنے مردوں کو اندر بٹھانا

Marfat.com

چاہتی تھیں۔ اِن دونوں مردوں کے مقابلے میں مضبوط تھیں۔ اور انہوں نے چالاکی یہ کی کہ دروازے پر ٹکی رہیں تاکہ جب تک اُن کے مرد یا ان کی خواتین بس کے اندر نہ چلی جائیں دوسرا کوئی نہ چڑھ سکے۔

میں نے کچھ دیر تک تو یہ تماشا دیکھا، اور چاہا کہ تہذیب اور اخلاق سے گری ہوئی کوئی بات نہ ہونے پائے مگر ٹھہرنے یا سوچنے کا وقت ہی نہیں تھا۔ بس چلنے والی تھی۔ ڈرائیور حسب معمول حبشی عربی داں، اپنی بات کے علاوہ کسی اور کی بات ہی نہ سنے اور سنے تو سمجھ ہی نہ سکے۔ اگرچہ بلڈ پریشر کی مریضہ میں بھی تھی، لیکن اللہ کے فضل سے قوت ارادی میرے پاس بہت تھی۔ اس وقت یہی مضبوطی کام آگئی اور میں نے جلدی سے قدوائی صاحب کو بازو سے پکڑ کر بس کے دروازے کے اوپر چڑھ جانے میں مدد دی۔ میں نے کہا "آپ اوپر جائیے۔ میں چودھری صاحب کو بھی چڑھوا کر آتی ہوں، میری پرواہ اس وقت مت کریں۔"

قدوائی صاحب کو چڑھانے کے بعد اس عورت کو جو دروازہ روکے کھڑی تھی میں نے اپنی پوری قوت سے ہٹا کر بس کے ڈنڈے کو پکڑا اور چودھری صاحب کو چڑھنے اور اندر آنے کا موقع دیا۔

اس عورت نے میری یہ پھرتی اور زور دیکھ کر مجھے گھورا اور چلائی "ارے کیا مجھے گرا دے گی!" میں نے کچھ جواب نہیں دیا اور بس کے اندر پچھلی سیٹوں کی طرف پہنچی تو دیکھا کہ ایک عورت بیٹھی ہے اور بقیہ سیٹ پر اس کا سامان رکھا ہوا ہے قدوائی صاحب الگ کھڑے ہیں۔ سیٹیں دو کی تھیں اس لئے میں نے اس عورت سے کہا "یہ سامان نیچے رکھیں یا گود میں رکھ لیں اور مجھے جگہ دیں!" وہ تڑا کے بولی "یہ جگہ میری بہن کی ہے"، میں نے کہا "تمہاری بہن کہاں ہے مجھے تو نظر نہیں آتی۔ مہربانی سے اپنا سامان نیچے رکھو اور ادھر کھسکو تاکہ بیٹھنے کی جگہ نکلے ورنہ میں

خود تمہارا سامان اُٹھا کر نیچے رکھ دوں گی۔ تم اپنا حج خراب کر رہی ہو۔ اور دُوسروں کو مجبور کر رہی ہو کہ وہ بھی اپنا حج مکروہ کریں۔ یہ بہت بڑی بات ہے۔ میرے شوہر بیمار ہیں وہ یہاں بیٹھیں گے۔ میں ان کے لئے جگہ چاہتی ہوں اور میں کھڑی رہوں گی۔"

بڑی مشکل سے اس عورت نے سامان نیچے پٹخا اور کھڑکی کی طرف کھسک گئی۔ میں نے قدوائی صاحب کو سیٹ پر بٹھایا اور چودھری صاحب کی طرف رُخ کیا۔ وہ بے چارے کھڑے رہ سکتے تھے اور نہ کسی خاتون سے جھگڑا کر سکتے تھے۔ ان کی بیوی بھی بخار میں بھُن رہی تھیں۔ درمیانی سیٹوں پر بھی کچھ ہٹ دھرم خواتین نے اسی طرح ایک سیٹ دبا رکھی تھی۔ مجھے پھر ذرا سخت لہجے سے کام لینا پڑا کیونکہ نرمی کا عمل ناکام ہو چکا تھا۔ میں نے ایک خاتون سے کہا "دیکھو ترس کھاؤ، یہ صاحب (چودھری صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) تھوڑی دیر بھی کھڑے نہیں رہ سکتے۔ ان کے پاؤں سوجے ہوئے ہیں اور یہ بڑی مشکل سے اندر آئے ہیں۔ انہیں بیٹھنے دو اور سامان سیٹ سے ہٹا لو!!"

وہ تو مجھ پر بری طرح برس پڑی اور تو تڑاق پر اُتر آئی۔ چلا کر بولی "تیرا کیا لگتا ہے ؟" میں نے کہا "یہ میرا چاچا لگتا ہے اور ان کی بیوی خود بیمار ہے ورنہ میرے بدلے وہ تم سے ان کے لئے جگہ حاصل کر لیتیں!" مگر وہ اپنی ڈھٹائی سے اپنی جگہ ڈٹی رہی جیسے گرمی ہوئی بیٹھی رہی۔ آخر مجبور ہو کر مجھے بداخلاقی سے کام لینا پڑا۔ میں نے خود اُس کا سامان اُٹھا کر نیچے پٹخا اور زور سے چودھری صاحب سے کہا "آپ آگے بڑھئے اور بیٹھ جائیے۔ اگر یہ عورت بدلحاظ ہے تو اس میں آپ کا یا میرا قصور نہیں ہے۔ آپ سیٹ کے مستحق ہیں۔ اپنی بیگم کے عوض آپ سیٹ پر بیٹھیں، یہ نیچے پر بیٹھ جائیں گی اور میں اب قدوائی صاحب کے پاس

جاتی ہوں۔ میں بھی پیچھے پر ٹک جاؤں گی!" معلوم نہیں یہ کس علاقے کی عورتیں تھیں

چودھری صاحب بڑی ہچکچاہٹ کے ساتھ آگے بڑھے۔ عورتوں سے یہ کہتے ہوئے" ارے تم نے کس ماحول میں تربیت پائی ہے! نہ بزرگوں کا پاس ہے نہ مردوں سے لحاظ کرتی ہو، نہ بیماروں کا خیال ہے اور حج کرنے نکلی ہو!" یہ کہتے ہوئے وہ سیٹ پر بیٹھ گئے اور وہ عورت مجھے اور انہیں نیلی پیلی آنکھوں سے گھورتی رہی۔ میں واپس قدوائی صاحب کے پاس پہنچ کر ان کی سیٹ کے پیچھے سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔ میں نے ایسا کیوں کیا؟ اس لئے کہ معذور انسان کی مدد کو اپنا دینی فرض سمجھ لیا تھا۔ خاوند کی خدمت تو ویسے بھی مجھ پر فرض تھی، لیکن چودھری صاحب کی نرم دلی اور معذوری نے مجھے مجبور کر دیا تھا کہ میں ان عورتوں کے ساتھ سختی کروں جو خود غرضی پر تلی ہوئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے معاف کرے اگر میں نے غلطی کی ہو۔

تمام راستے بس میں ان عورتوں کی لڑائی جھگڑے نے ایک شور مچائے رکھا۔ آپ ہی بات بات پر اُلجھی پڑتی تھیں۔ کچھ دیر بعد بس میدان عرفات پر پہنچ کر رکی اور ہم سب کو اُتر جانے کے لئے کہا گیا۔ میں اور قدوائی صاحب سارے مسافروں اور اپنی دوسری خواتین ساتھیوں کے اُتر جانے کے بعد سب سے آخر میں بڑے اطمینان سے اُترے اور چودھری صاحب اور ان کی بیوی کو بھی ہم نے اطمینان سے اُتروایا۔ باقی مرد جو بس کی چھت پر بیٹھے تھے وہ بھی سامان اُتار کر نیچے آ گئے اور ہم سب معہ سامان کے اپنے معلّم کے خیموں کا پتہ لگاتے ہوئے قطار در قطار لگے ہوئے خیموں کی طرف بڑھے۔ سارا میدان چھوٹے بڑے خیموں سے پٹا پڑا تھا۔ روشنی کی یہاں بے حد کمی تھی، نہ جانے کیوں؟

رات کا وقت تھا اگرچہ روشنی نہ ہونے کے برابر تھی مگر میں نے تیز قدمی سے آگے بڑھ کر خیمہ پسند کیا اور سب لوگ میرے پیچھے پیچھے آگئے۔ زمین پر برابر برابر چٹائیاں بچھالیں اور اس ترتیب سے لیٹنے کا انتظام کر لیا۔ یعنی کنارے پر یٰسین صاحب اور ان کے ساتھ ان کی بیگم پھر ”یا“ اور میرے پاس قدوائی صاحب بعد میں چودھری صاحب اور ان کی بیگم وغیرہ۔ عشاء کی نماز پڑھ کر ہم نے اسی اندھیرے میں تھوڑا بہت کھانا کھایا اور پھر سب لوگ لیٹ گئے۔

یٰسین صاحب سے تقریباً دو فٹ کے فاصلے پر ایک چٹائی پر ایک انتہائی کمزور اور بیمار ضعیف العمر شخص تنہا بیٹھا تھا اور دوہرا ہوا جا رہا تھا۔ اُسے بُری طرح کھانسی آ رہی تھی اور کراہ بھی رہا تھا۔ یٰسین صاحب نے حال دریافت کیا بلکہ اس کا بدن چھو کر دیکھا تو اسے بہت تیز بخار تھا۔ مجھ سے کہنے لگے ”بیگم قدوائی آپ کے پاس بخار اُتارنے اور کھانسی دبانے کی کوئی دوا ہو تو دے دیجئے۔ ان صاحب کو سخت تکلیف ہے۔“ میں نے کہا ”یٰسین بھائی ہم وطن سے دُور ہوں، حکومت غیر ہے، قوانین بھی یقیناً کچھ اور ہی ہوں گے بلکہ ہمارے ہاں سے سخت ہوں گے اگر میری ہمدردی نے بیمار کو خدا نہ کرے ختم کر دیا تو میں تو ”بے“ پھانسی کے تختے پر لٹکا دی جاؤں گی۔ مان لیجئے یہ صاحب دل کے مریض ہیں، بخار اگر ایک دم سے اترا تو یہ عدم کی راہ لیں گے اور میں حج کی سعادت حاصل کرنے کی بجائے قتل کے جرم میں رسوائی کی موت ماری جاؤں گی۔ نہیں نہیں۔ بس میں انہیں زیادہ سے زیادہ ٹھنڈی کافی بنا کر دے سکتی ہوں۔ ان سے پوچھ لیں پئیں گے؟“ وہ کافی پینے پر راضی ہو گئے تو میں نے انہیں ایک پیالی بنا کر دے دی۔ ان کی کھانسی تھم گئی اور ہم سب اطمینان کے ساتھ سو گئے۔

مجھ میں ایک عیب ہے، یعنی میں لیٹتے ہی سو جاتی ہوں اور بہت غافل۔ کچھ لوگ جو بے خوابی کے مریض ہیں وہ میری اس عادت پر رشک کرتے ہیں۔ خیر یہاں تو ہم سب

Marfat.com

ہی تھکے ہوئے تھے اور سو گئے۔ آدھی رات سے شاید کچھ ہی زیادہ عرصہ گزرا ہوگا، میں بالکل چیت سو رہی تھی، مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میرے اوپر کوئی بڑا سا بوجھ دھڑ سے گرا اور جب تک میں چونک کر ہائے اللہ کہوں اور قدوائی صاحب کو جگاؤں وہ شے کسی طرف غائب ہو گئی۔ سارے ہی ساتھی میری چیخ سن کر بیدار ہو گئے۔ یٰسین صاحب نے جدھر وہ صاحب نکلے اُدھر غور سے دیکھا تو وہ غائب تھے۔ کہنے لگے "معلوم ہوتا ہے کہ ان کا معدہ بھی خراب تھا اور وہ اندھیرے میں راستہ تلاش کرتے ہوئے گر پڑے۔ شاید بیت الخلا جا رہا تھا۔" مجھے کیا سب کو بے اختیار ہنسی آگئی اور دیر تک ہنستے رہے۔ میں نے کہا "واہ بھئی گرنا بھی تھا بڑے میاں کو تو میرے ہی اوپر جسے چھپکلی تک سے ڈر لگتا ہے۔ یہ خوب رہا۔ اور جو میرا گھبراہٹ میں دم نکل جاتا تو کیا ہوتا، گیا تھا میرا حج"۔ غرضیکہ اسی قسم کی باتیں کرتے ہوئے ہم سب پھر سو گئے۔

کچھ دیر کے بعد فجر کی اذان سنائی دی۔ سب لوگ اُٹھ پڑے خیمے زیادہ تر بغیر قنات کے تھے۔ لہٰذا ہم ایک خیمے سے دوسرے خیمے میں گزرتے اور راستہ بناتے جائے ضرور گئے اور بعد فراغت ہم نے با جماعت نماز ادا کی۔ پھر کچھ دیر کے لئے درود اور پنجسورے نکال کر بیٹھے۔ اب سورج پوری طرح نکل آیا تھا۔ سب نے پھر اُن بیمار بڑے میاں کی کہانی شروع کر دی اور مجھے دیکھ دیکھ کر ہنستے رہے اور فقرے کستے رہے "بس وہ بے چارے آپ ہی سے خوف کھا کر بھاگے۔ نہ جانے کس حال میں ہوں گے"۔ کسی نے کہا "کہیں بے ہوش نہ پڑے ہوں"۔ کوئی بولا "کیا پتہ انتقال فرما گئے ہوں"۔ میں بھی ان کے مذاق میں برابر کی شریک رہی، ساتھ ساتھ کہتی رہی "خدا کرے کسی نے اسپتال پہنچا دیا ہو (گشتی اسپتال کا انتظام ہماری حکومت کی طرف سے تھا) اور اچھے ہو جائیں۔ بیچارے تنہا ہیں، حج نصیب ہو"۔

اسی قسم کی باتوں میں اور شدید گرمی کی وجہ سے دستی پنکھے جھلتے جھلتے دوپہر

Marfat.com

ہوگئی۔ ہم نے تھوڑا سا ناشتہ کر لیا تھا۔ مگر اب آنتیں قل ہو اللہ پڑھ رہی تھیں۔ سنا تھا کہ عرفات کے میدان میں تمام عازمین حج کو دوپہر کا کھانا شاہی ضیافت کے طور پر معلّم کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے۔ اور ہم نے دیکھا بھی تھا کہ دیگیں چڑھی ہوئی تھیں جن کے کھٹکنے کی آواز بھی آرہی تھی۔ آخر خدا خدا کر کے وہ مبارک ساعت آگئی۔ اور دیگوں کے منہ کھل گئے۔ گرم گرم آلو گوشت کی خوشبودار بریانی ایک ایک بڑی بڑی پلیٹ میں دو دو آدمیوں کو بانٹی گئی۔ ہم نے بہت دل سے اس بریانی کا مزہ لیا۔ ٹھنڈا پانی بھی پینے کو حکومت کی طرف سے ملا۔ خدا کا شکریہ ادا کیا، جان میں جان آئی اور سب دوبارہ چاق و چوبند ہو کر تسبیح اور درود و سلام پڑھنے میں مصروف ہوگئے۔

کچھ دیر کے بعد ظہر کی نماز کا وقت آگیا۔ عرفات میں ظہر اور عصر کی نمازیں باجماعت مسجد نمرہ میں اکٹھی پڑھی جاتی ہیں اور امام پہلے خطبہ دیتا ہے مگر اس کی بھی اجازت ہے کہ بھیڑ بھاڑ کی وجہ سے مسجد میں جگہ نہ ملے تو دونوں نمازیں الگ الگ اپنے خیمے میں باجماعت ادا کی جاسکتی ہیں۔ ہمارے ساتھیوں میں سے کچھ لوگ مسجد نمرہ نماز پڑھنے چلے گئے تھے مگر جگہ نہ ملنے کی وجہ سے واپس آگئے۔ قدوائی صاحب نے بعض علماء کا خیال پیش کیا کہ چونکہ آج کل مسجد نمرہ میں امام حکومت کی طرف سے مقرر ہوتا ہے اور امیر المومنین کی طرف سے نہیں ہوتا، نہ عالم اسلامی کا کوئی ایک متفقہ امیر یا خلیفہ ہے اس لئے نمازیں اپنے خیمے ہی میں پڑھنی چاہئیں چنانچہ سب نے ایسا ہی کیا۔

اس کے بعد جلدی جلدی اپنا سامان باندھ کر ہم نے خیمہ چھوڑ دیا اور جبل رحمت کا رُخ کیا، بعد عصر آنتیں تلاوت کرتی اور دعائیں پڑھتی ایک خلقت دیوانہ وار پیدل چلی جارہی تھی۔ ہزاروں لوگ زور زور سے لبیک اللّٰھم لبیک اور سیکڑوں ربنا آتنا فی الدنیا والی سورت کا ورد کرتے ہوئے جارہے تھے۔ ہجوم در ہجوم

Marfat.com

ک جبل رحمت پر کھڑے یا بیٹھے نظر آ رہے تھے جیسے کوئی ٹڈی دل اترا ہو۔
ر یہ جہاں تک مجھے معلوم ہے اس پہاڑ پر چڑھنا منع ہے۔ نہ جانے کتنے لوگ
ل رحمت کے نیچے اور سارے میدان میں زار و قطار رو رو کر اپنے گناہوں کی معافیاں
نگ رہے تھے۔ ہم دونوں جبل رحمت سے ذرا پہلے مجمع سے کچھ ہٹ کر راستہ کے
رے کھڑے ہو گئے۔ اپنی حالت کیا بیان کروں، پھوٹ پھوٹ کر رونا آ رہا تھا اور
اؤں کے لئے ہاتھ پھیلے ہوتے تھے مگر زبان سے کیا مفہوم ادا ہو رہا تھا کچھ نہیں
علوم۔ یہی حال قدوائی صاحب کا تھا جب کچھ دیر بعد ہوش آیا تو ہم وہاں سے خیمے
رف لوٹے۔ رونا تو اب بھی بند نہیں ہو رہا تھا۔ جبل رحمت میں کیا کشش تھی یہ بیان
ے باہر ہے۔ اگرچہ سیاہ پتھروں کا محض ایک پہاڑ تھا لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ
نور الٰہی، اسی وقت ہم گنہگاروں سے خطاب کرنے کے لئے تشریف
نے والے ہیں۔

خیمے کی جگہ پر واپس پہنچے تو دیکھا خیمے اکھڑ چکے تھے۔ ہر طرف میدان ہی
یدان تھا، عازمین حج سے بھرا ہوا اور ہمارے معلم صاحب ایک بس کے انجن والے
تہ پر چڑھے مائک پر مقررہ دعائیں پڑھ رہے تھے۔ ہم بھی اس ہجوم میں شامل
گئے اور ان کی دعاؤں پر آمین کہتے رہے۔ پھر انہوں نے ہم سب سے
ری خاطر داری میں اگر ان کی طرف سے کوتاہیاں ہوئی ہوں تو ان کے لئے معافیاں
نگیں، ان کی تقریر عربی میں تھی مگر ہم کچھ کچھ سمجھ گئے اور انہیں معاف کیا۔

اب ہماری روانگی مزدلفہ کو شروع ہوئی۔ سورج غروب ہو چکا تھا اور بجلی
روشنیاں جل گئی تھیں مگر ہمیں مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک ساتھ مزدلفہ پہنچ کر
ھنا تھیں۔ بسیں ہر طرف کھڑی تھیں اور ہم لوگ دوبارہ پہلے کی طرح دھکا پیل کے
ساتھ مع اپنے سامان کے اپنے معلم کی بس میں سوار ہو گئے۔ اس کام میں بہت دیر

Marfat.com

لگی۔ وہاں کے وقت کے مطابق بسیں تقریبًا سات بجے شام کو روانہ ہوئیں۔ میدان عرفات سے مزدلفہ بہت نزدیک ہے اور سڑک اور میدان میں بجلی کی روشنی میں ہمیں اکثر قافلے پیدل جاتے نظر آرہے تھے۔ بدقسمتی سے ہمیں اس بار بھی ایک غلط قسم کے ڈرائیور سے سابقہ پڑا۔ اس کی زبان سے تو ہم ناواقف تھے ہی مگر اس کے عمل سے بھی صاف معلوم ہوتا تھا یا وہ ایسا ظاہر کر رہا تھا کہ وہ وہاں کے مقامات سے ناواقف ہے۔ غلط راستوں پر چکر لگاتا رہا۔ کہیں بس ٹھہرا دیتا اور کہتا "یہاں اُتر جاؤ" اور لوگ اُترنے لگتے تو شور کرتا کہ بس ہی میں بیٹھو آگے چلنا ہے اور ہر بار ہرا پھرا کر منیٰ کی طرف پہنچ جاتا اور کہتا کہ یہی مزدلفہ تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ معلم نے ایسا ڈرائیور ہمیں کیوں دیا تھا۔

غرضیکہ بہت سے چکر کاٹنے کے بعد پوچھتے پاچھتے اس نے ایک پہاڑ تلے آکر ہمیں کھڑا کر دیا جہاں تاریکی ہی تاریکی تھی۔ چار و ناچار سارے لوگ اتر پڑے اور لق و دق پہاڑ کے دامن میں پڑاؤ ڈالا۔ کچھ لوگ ادھر اُدھر جا کر اتنا پتہ تو لے آئے کہ مزدلفہ کا علاقہ ہی تھا۔ سب نے زمین پر چٹائیاں پھیلا دیں اور اندھیرے میں تھوڑے سے پانی سے جو ہمارے ساتھ تھا طہارت کی، وضو کیا اور ایک کے بعد ایک دونوں نمازیں باجماعت ادا کیں۔ غالبًا یٰسین صاحب نے امامت کی پھر ہم لوگوں نے اسی اندھیرے میں الٹا سیدھا کچھ کھایا پیا۔

آدھی رات سے زیادہ گذر چکی تھی۔ سب کی حالت خراب تھی بس کے بے جا چکروں اور ڈرائیور سے بحث مباحثوں نے سب کو نڈھال کر دیا تھا۔ اسی لئے چند ایک نفل ادا کرنے کے بعد خواتین چٹائیوں پر لیٹ گئیں۔ لیکن اس نیت سے کہ غفلت طاری نہ ہو جائے۔ تسبیح سب کے ہاتھوں میں تھی تاکہ بیٹھ کر نہیں تو لیٹے ہی لیٹے ذکرِ ربانی زبان پہ جاری رہے۔ مرد باقاعدہ عبادت میں مشغول رہے

لیکن پھر بھی یہ کہنا غلط ہوگا کہ پوری رات بیداری میں گذاری۔ مردوں نے اگلے دن شیطانوں کو مارنے کے لئے اندھیرے میں زمین ٹٹول ٹٹول کر کنکریاں جمع کیں۔ صبح کو منٰی تک ہمیں واپس لے جانے کے لئے ہم نے کسی نہ کسی طرح بس ڈرائیور کو راضی کرلیا۔ وہ ایک طرف کو سکڑ کر لیٹ گیا اور تھوڑی ہی دیر میں خراٹے لینے لگا۔

فجر سے کچھ پہلے میری اور سب کی آنکھ کھلی۔ دیکھا تو قدوائی صاحب ہمارے ساتھ نہ تھے۔ معلوم ہوا کہ وہ احرام سے اچھی طرح بدن کو ڈھانکے بس کے اندر ایک ایک سیٹ پر سکڑے ہوئے پڑے ہیں۔ مجھے یہ سن کر بڑی پریشانی ہوئی۔ میرا ماتھا ٹھنکا۔ جا کر دیکھا اور بدن چھوا تو تیز بخار تھا۔ دریافت کرنے پر کہنے لگے "کچھ نہیں، ابھی کچھ دیر پہلے کھلے آسمان کے نیچے جاگتے رہنے اور ٹھنڈ لگنے کی وجہ سے طبیعت نڈھال ہونے لگی اور یہاں چلا آیا، اب بخار معلوم ہوتا ہے"۔ میں نے کہا "مجھے کیوں نہیں جگایا۔ میں اُسی وقت بخار کی ٹکیاں آپ کو دے دیتی"۔ انہوں نے کہا کہ "میں نہیں چاہتا تھا کہ تم اور باقی ساتھی میری وجہ سے بے آرام ہوں"۔ پھر میں نے انہیں اُٹھا کر بٹھایا اور بٹوے سے نکال کر بخار کی ٹکیاں دیں اور گلاس سے پانی پلایا۔ تھوڑی دیر میں وہ کہنے لگے "میں ٹھیک ہوں"۔ اتنے میں ہمارے ساتھیوں میں سے کسی نے اذان دی اور سب نے جلدی جلدی وضو کیا۔ قدوائی صاحب نے تیمم کیا اور نماز با جماعت ادا کی گئی۔ یٰسین صاحب نے یہ نماز بھی پڑھائی۔

یہ ۱۰ ذی الحجہ کی صبح تھی۔ ہمیں منٰی پہنچ کر جہاں تک ہو سکے زوالِ آفتاب سے پہلے بڑے شیطان کو کنکریاں مارنے کے بعد قربانی بھی کرنی تھی اور اپنے اپنے احرام اتارنے تھے۔ ڈرائیور نے وقوف کے بعد عربی میں ہانک لگائی۔ چٹائیاں اور سامان جلدی جلدی باندھا گیا اور سب بسوں میں سوار ہونے لگے۔ راستہ بھر درود شریف کا ورد کرتے ہوئے ہم منٰی واپس پہنچے مگر خیموں پر پہنچنے سے

پہلے ہی بھیڑ بھاڑ کی وجہ سے ہمیں ڈرائیور نے راستہ ہی میں ایک جگہ چھوڑ دیا۔ ہم بہ مشکل سڑک کے کنارے اونچی اونچی زمین پہ اپنے اپنے سامان کے ساتھ بیٹھ گئے۔ اس قدر مجمع تھا کہ ہر وقت کچلے جانے کا اندیشہ تھا۔ قدوائی صاحب اور چودھری صاحب کی عمر اور صحت کی خرابی کی وجہ سے ایسی حالت نہ تھی کہ اس ہجوم میں اپنے کو سنبھال سکیں لہٰذا ان کی اور میری کنکریاں یٰسین صاحب کے سعادت مند صاحبزادے نعیم مقیم جدہ نے جو حج کے دوران اپنے والدین کو حج کرانے کی غرض سے ہمارے ساتھ آ گئے تھے ہماری طرف سے شیطان کو ماریں اور چودھری صاحب اور ان کی بیگم کی طرف سے ان کے داماد نے یہ فریضہ ادا کیا، جو ان کے ساتھ تھے۔ یٰسین صاحب نے اپنی اور اپنی بیگم کی طرف سے اور باقی ساتھیوں نے بھی اپنے اور اپنی خواتین کی طرف سے کنکریاں ماریں۔ اس کام کے لئے مردوں کو جمرۂ عقبیٰ (بڑے شیطان) تک جانے اور آنے میں بہت دیر لگی۔ ان کے واپس آ جانے کے بعد ہم مجمع کو بڑی مشکل سے چیرتے پھاڑتے اور اپنے سامان کو اپنے ہاتھوں اور بغلوں میں نہ جانے کس طرح سنبھالتے ہوئے تھک کر چور ہو کر اپنے خیموں تک پہنچے۔ ہمارا سامان سنبھالنے میں پھر نعیم سلمہٗ نے بہت مدد کی۔

خیمہ پہ جلدی جلدی اپنی چٹائیاں بچھا کر اور سامان کھول کر ہم نے نماز ظہر ادا کی اور پھر مردوں نے قربان گاہ کا رُخ کیا اور جانوروں کی خریداری کر کے قربانیاں کیں۔ اس کے بعد واپس آئے، سر منڈوائے اور غسل کیا اور پاک صاف ہو کر احرام کھول ڈالا اور دوسرے کپڑے پہن لئے۔ عورتوں نے پور بھر بال کٹوا لئے۔ میں نے گیلے تولیے سے چادر کے اندر ہی اندر جسم کو خوب رگڑ رگڑ کر پھر کپڑے بدل لئے اور کنگھی کر لی۔ تقریباً ساری ساتھی خواتین نے اسی

طرح کپڑے بدلے جس طرح میں نے بدلے تھے۔ پھر عصر کی نماز پڑھی۔ ہمارے پاس تو کھانے پکانے کا انتظام نہیں تھا مگر یٰسین صاحب اور چودھری صاحب کے داماد تھوڑا تھوڑا گوشت اپنے ساتھ لے آئے تھے۔ قدوائی صاحب نے اپنے لئے محمد علی صاحب سے جو اُن کی طرف سے قربانی کرنے گئے تھے اپنے حصہ کا گوشت لانے کو منع کر دیا تھا۔ دوسری خواتین نے اپنا اپنا گوشت بطور قورمہ بھون لیا تھا۔ روٹیاں اُن کے اور ہمارے ساتھ تھیں۔ اس کھانے میں ہم اُن کے ساتھ شریک تھے۔ اس قورمہ کا مزا ہی کچھ اور تھا جو آج تک نہیں بھولتا۔ ہم سخت تھکے ہوئے تھے چنانچہ مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا کر کے جلد سو گئے۔

۱۰ ذی الحجہ کی شب منٰی میں گزاری۔ اب گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی دو ہی تاریخیں رہ گئی تھیں۔ جن میں ہمیں ہر روز زوال آفتاب کے بعد سے غروب آفتاب تک کے وقت کے اندر شیطانوں کو کنکریاں بھی مارنی تھیں اور مکہ معظمہ جا کر طواف زیارت اور طواف وداع بھی کرنے تھے اس لئے کہ پی آئی اے نے ہمیں ۱۲ ذی الحجہ کو صبح آٹھ بجے جدہ کے حج ٹرمنل پر بلایا تھا۔ روانگی تو ۱۴ کی صبح کو ہونی تھی مگر ہمیں ایئرپورٹ پر چوبیس (۲۴) گھنٹے پہلے بلایا گیا تھا۔ اور یہ دھمکی بھی دی گئی تھی کہ اگر وقت پر نہ پہنچنے کی وجہ سے مقررہ ہوائی جہاز سے ہماری روانگی نہ ہو سکی تو پھر آخری جہاز ملے گا۔ ان تمام باتوں کی وجہ سے ہم پر بڑی دہشت طاری تھی۔ !ششہ

چنانچہ ہم ۱۱ ذی الحجہ کی صبح کو اپنے پرائیویٹ انتظام سے حرم کعبہ پہنچنے کے لئے منٰی سے روانہ ہوئے۔ پہلے دن کی طرح ہم دونوں نے، بلکہ سب ہی نے اپنی اپنی کنکریاں میاں نعیم اور چودھری صاحب کے داماد کو دے دیں کہ وہ ہماری طرف سے مقررہ وقت پر شیطانوں کو مار دیں۔ بیماری، ضعیفی اور پہلے

بیان کی ہوئی پابندیوں کی وجہ سے اور کوئی چارہ ہی نہ تھا۔ اس بار بھی چودھری صاحب کے شاگردوں نے ایک سوزوکی وین کا انتظام کر رکھا تھا جسے ہمیں مکہ معظمہ لیجانا تھا، لیکن وہ ہمارے خیموں سے بہت زیادہ فاصلہ پر کھڑی کی گئی تھی۔ سرکاری احکام تھے کہ تمام پرائیویٹ گاڑیاں ایک خاص فاصلہ پر کھڑی کی جائیں گی اور حج کے زمانے میں جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا شاید پرائیویٹ گاڑیوں پر جانا منع بھی تھا۔

سڑکوں پر ہر طرف نلوں سے لوگوں کے پانی بھرنے اور خیموں تک لے جانے کی وجہ سے گرا ہوا پانی بہہ رہا تھا اور جگہ جگہ کیچڑ بھی ہو رہی تھی۔ حاجیوں کا ہجوم اور پوری خلقت پیدل چل رہی تھی۔ ہجوم کی وجہ سے ہاتھ چھوٹ جانے یا اپنے ساتھیوں سے بچھڑ جانے کا اندیشہ قدم قدم پر محسوس ہو رہا تھا۔ دوسری طرف گرمی اور دھوپ اس بلا کی تھی کہ الاماں والحفیظ۔ ایک آدھ جگہ سانس لینے کے لئے رُکے، لیکن جلد سے جلد حرم شریف پہنچنے کے خیال سے پھر فوراً چل پڑے۔ میرا بلڈ پریشر بڑھتا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ احتیاطاً گولی کھا کر چلی تھی لیکن دھوپ اور پیدل مارچ کی وجہ سے شاید بڑھ چکا تھا اور میرے دل پر اس کا دباؤ محسوس ہو رہا تھا۔ لیکن اللہ سے آس لگا رکھی تھی کہ وہ یہاں تک لایا ہے تو صحت کے ساتھ حج بھی مکمل کرا دے گا۔ چنانچہ اس کا ایسا ہی کرم ہوا۔ اور سوزوکی تک پہنچے اس میں بیٹھے اور چل دیئے۔ مگر تواح کعبہ میں داخل ہونے سے بہت پہلے پولیس نے گاڑی کو روکا اور ہم سب کو پیدل چلنے کا اشارہ کیا۔

اب تو سب کی روح فنا ہوگئی مگر دو چار قدم چلے تھے کہ ایک خالی کرایہ کی اسٹیشن ویگن آتی نظر آئی۔ ڈرائیور نے ایک ایک ریال فی سواری کے حساب سے ہم سب کو اس میں بھر لیا اور حرم شریف کے قریب اُتار دیا۔ جمعہ کا دن تھا،

Marfat.com

حرم شریف میں حاجیوں کے علاوہ نماز پڑھنے کے لئے عام خلقت بھی آ رہی تھی اور سڑکیں لوگوں سے بھری ہوئی تھیں بلکہ ہجوم لمحہ بہ لمحہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ چونکہ ہم سب نے طے کیا تھا کہ آج ہی طواف زیارت و سعی اور طواف وداع کر کے ساتھ ہی منیٰ واپس جائیں گے اس لئے ایک جگہ مقرر کر لی کہ جو صاحبان فارغ ہوتے جائیں وہاں پر آ کر دوسرے ساتھیوں کے منتظر رہیں چاہے کتنی ہی دیر کیوں نہ ہو جائے۔

یہ بات طے کر کے سب مرد اپنی بیویوں کو لے کر حرم کعبہ میں داخل ہوئے اور طواف میں شامل ہو گئے مگر کیسے بتایا جائے کہ وہ تو جیسے انسانوں کا ایک بے پناہ سیلاب تھا جس میں ہم بری طرح پھنس گئے۔ ذرا دیر میں پیچھے سے ہمیں ایک ایسا دھکا لگا کہ قدوائی صاحب گرتے گرتے بچے تھے۔ میں نے اپنی اور ان کی حفاظت کے خیال سے اُن کے بیچ میں اپنا پنجہ پھنسا رکھا تھا تاکہ کوئی جھٹکا دے کر بیچ سے گزرنا بھی چاہے تو آسانی سے نہ نکل سکے مگر یہ ترکیب اس موقع پر بالکل بے کار ثابت ہوتی نظر آ رہی تھی۔ میرا دل اس وقت ہجوم کے آگے اور پیچھے کے دباؤ سے جیسے بند ہونے والا تھا۔ میں نے بے قرار ہو کر قدوائی صاحب سے کہا "جلدی سے اندر دالان میں ہو لیجئے" یہ کہتے ہوئے میں نے اُنہیں اپنے دوسرے ہاتھ سے دھکا بھی دیا کہ یہاں رکنا ٹھیک نہیں ہے وہ "نہیں نہیں" کہتے رہے مگر میں زبردستی اُن کا ہاتھ پکڑے اُنہیں دالان کے اندر کھینچ لائی۔ خیال ہوا کہ ڈولیوں پر سوار ہو کر طواف کیا جائے کچھ دور آگے ڈولیاں اٹھانے والے حبشی اپنی ڈولیاں لئے نظر آئے۔ انتہائی مشکل سے ہم اُن تک پہنچے تو اُنہوں نے جو اجرت مانگی اُسے سن کر اوسان خطا ہو گئے۔ یعنی ایک سواری کے ۱۰۰ ریال طواف زیارت کے اور تین ہی سو طواف وداع کے

Marfat.com

اور تین سو ہی فی کس کرسیوں پر سعی کرانے کے دونوں کے اٹھارہ سو ریال مانگے جب کہ ہمارے پاس کل بارہ سو ریال بچے تھے۔ میں نے بہت خوشامد کی "کچھ معافی دو" معافی کا مطلب کمی کرانے کا تھا مگر وہ آپس میں ایک دوسرے کو دیکھ کر ہمارے حالِ زار پر ہنس رہے تھے اور خوب خوش ہو رہے تھے۔

میں نے ان حبشیوں کی طرف حقارت سے دیکھا اور منہ موڑ لیا لیکن مایوسی کو نزدیک نہیں آنے دیا۔ انتہائی بے بسی کے عالم میں پھر ایک بار اپنے اللہ کو مدد کے لئے پکارا اور حضورؐ کا واسطہ دیا اور کہا "اے اللہ تو ہماری مالی اور جسمانی کمزوریوں سے بخوبی واقف ہے، تو ہمیں یہاں تک لایا ہے تو اب تو ہی اس مقدس فریضہ کو ادا کرائے گا۔ ہمیں اس وقت کوئی راستہ نظر نہیں آرہا ہے" شاید میری دعا کے آخری الفاظ بھی پورے بھی نہیں ہو پائے تھے کہ میرے دائیں بازو کی طرف سے کسی کی آواز آئی۔ "امی جان! آپ کس فکر میں پریشان کھڑی ہیں؟" میں نے پلٹ کر دیکھا تو ایک نوجوان تھا جو نہایت ہمدردانہ لہجے میں مخاطب تھا۔ میں نے جواب میں کہا "بیٹا طواف زیارت کیسے کریں، خانہ کعبہ کے اطراف میں کچل جانے کا ڈر ہے۔ سوچا تھا ڈولیوں میں بیٹھ کر کر لیں گے مگر یہ تو بہت روپیہ مانگتے ہیں۔ روپیہ ہمارے پاس تھوڑا ہی بچا ہے اور ہمیں واپس وطن بھی پہنچنا ہے۔ عجیب مشکل کا سامنا ہے" اس نوجوان نے بلکہ میں تو خضرِ راہ کہوں گی ان حبشیوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جو ابھی تک ہماری زبوں حالی پر ہنس رہے تھے اور بڑی نرمی سے اپنے ہاتھ کے اشارے سے بتا کر مجھ سے کہا "وہ دیکھئے سامنے سیڑھیاں ہیں ان سے آپ اوپر چلی جائیں۔ وہاں طواف کرنا آسان ہو گا"!

یہ کہہ کر وہ چلا گیا اور میں نے اُسے دعائیں دیتے ہوئے ایک لمحہ بھی

Marfat.com

ضائع کئے بغیر سیڑھیوں کا رُخ کیا۔ ندوائی صاحب کا ہاتھ میں نے اب بھی اپنے ہاتھ میں جکڑ رکھا تھا۔ بے پناہ پھرتی سے اُنھیں کھینچا اور مجمع کو چیرتی ہوئی سیڑھیوں پر چڑھتی چلی گئی۔ ہمیں بے حد جلدی تھی، اس لئے کہ آج ہی ہم دونوں طواف کرنے تھے مگر ہجوم کی وجہ سے پھولتے ہوئے سانسوں کے ساتھ سیڑھیاں چڑھتے چڑھتے بے دھیانی میں ہم غلط سمت نکل گئے، یعنی ان لوگوں کے ساتھ ہو لئے جو طواف کرنے کے بعد صفا و مروہ کی اوپری منزل پر سعی کر رہے تھے۔ اس غلطی کا احساس ہوتے ہی ہم نے اپنا رُخ بدل لیا اور دونوں اُن برآمدوں اور دالانوں کی طرف چلے جو حرم کی اوپر کی منزل میں بنے ہوئے ہیں۔

اب ہم نے اطمینان کا سانس لیا اور طواف زیارت شروع کر دیا۔

اوپر کی منزل کے طواف کا ایک چکر خانہ کعبہ کے صحن کے سات چکروں کے برابر بنتا تھا۔ اس کا ہمیں بالکل اندازہ نہیں تھا مگر کیا کرتے۔ اگرچہ ہجوم یہاں بھی بہت تھا پھر بھی نیچے کے مقابلے میں کم تھا، اس لئے اتنا چکر بھی سہل محسوس ہو رہا تھا مگر جو لوگ طواف کر چکے تھے وہ نماز کے انتظار میں دالانوں کے اندر اور دوسری طرف برآمدوں میں صفیں بنائے بیٹھے تھے۔ جو لوگ طواف ختم کرتے جاتے تھے وہ بھی صفیں بنا کر بیٹھتے جاتے تھے۔ پھر جمعہ کی وجہ سے باہر اور گرد و نواح کے نمازی بھی آتے اور دالانوں یا برآمدوں کی صفوں میں شامل ہوتے چلے جاتے۔ یہاں تک کہ درمیان میں طواف کرنے والوں کے لئے لمحہ بہ لمحہ راستہ زیادہ سے زیادہ تنگ ہوتا جا رہا تھا۔ ہم دونوں چھ چکر لگا چکے تھے اور ساتواں شروع ہی کیا تھا کہ نماز کا وقت بالکل قریب آ گیا جس کی وجہ سے طواف کرنے والے ہجوم نے طواف کو جلدی ختم کرنے کی غرض سے بڑی تیزی اختیار کر لی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایسے موقعوں پر جیسا ہوتا ہے پیچھے والوں پر آگے بڑھنے کے لئے دباؤ پڑا۔

Marfat.com

انہوں نے اپنے آگے والوں پر دباؤ ڈالا اور ہم بیچ میں پھنس گئے۔ آخر جس خطرے سے بچنے کی غرض سے ہم نے اوپر کی منزل میں طواف کرنا منظور کیا تھا وہی پیش آیا یعنی ایک بار پیچھے والوں کا ریلا اس زور سے آیا کہ قدوائی صاحب گر پڑے اور چونکہ میں ان کا ہاتھ چھوڑنا نہیں چاہتی تھی لہٰذا میں بھی گری[16]

ہم دونوں کے ہاتھ ایک دوسرے سے چھوٹ گئے۔ اس بے پناہ ہجوم میں ہم نے اُٹھنے کی کوشش کی تو معلوم ہوا کہ تنہا یا کسی کی مدد کے بغیر اُٹھنا مشکل تھا اور نہ اُٹھنے میں بری طرح کچل جانے کا ڈر تھا۔ میں بے اختیار رو پڑی اور زور زور سے آس پاس کے لوگوں سے چلا کر کہا "لوگو! خدا کا خوف کرو، ضعیفوں اور ناتوانوں کو بھی یہ سعادت حاصل کر لینے دو، خدا کے گھر میں تو انصاف سے کام لو۔" میری گریہ و زاری سنتے ہی کچھ اللہ کے بندے وہیں رُک گئے اور بآواز بلند کہنا شروع کیا "واپس جاؤ۔ واپس جاؤ۔ یہ طواف نہیں ہوگا۔ ایک بندہ گر گیا ہے۔" مجمع رک گیا بلکہ لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ کچھ لوگ مجھے اُٹھانے لگے۔ میں نے کہا "پہلے میرے شوہر کو اٹھائیے۔" غرضیکہ کسی نے مجھے اُٹھایا اور کسی نے قدوائی صاحب کو بلکہ مجھے تو جیسے صفوں میں بیٹھے ہوئے لوگوں کے سروں پر سے گیند کی طرح سامنے کی صف میں پہنچا دیا گیا جہاں عورتیں تھیں۔

میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا تھا اور پیاس کی وجہ سے زبان باہر نکلی آرہی تھی۔ بیچ پر پہنچے تو تھوڑی دیر تک میری سمجھ میں نہیں آسکا کہ میں اس جگہ کس طرح پہنچی۔ اس وقت میرا دل ایک خشک تھرکتے ہوئے پتے کی طرح جیسے حلق میں پھنس رہا تھا۔ کچھ لوگوں کے پاس پانی تھا انہوں نے مجھے پلایا۔

Marfat.com

مگر میرے دل و دماغ قدوائی صاحب میں پڑے تھے۔ میں نے دیکھا وہ داہنی طرف ایک پچھلی صف میں پریشان بیٹھے تھے مگر مجھے دیکھ کر کچھ مطمئن ہوئے اور چونکہ نماز شروع ہونے کو تھی مجھے ہاتھ کے اشارے سے دلاسا دیا اور اپنی جگہ بیٹھے رہنے کو کہا۔ میں پھوٹ پھوٹ کر بلکہ بلک بلک کر روتی رہی۔

غم اس بات کا نہیں تھا کہ ہمیں تکلیف پہنچی بلکہ اس کا تھا کہ ہمارا پہلا طواف یعنی طوافِ زیارت نامکمل رہ گیا تھا۔ اس کے بعد سعی تھی اور طوافِ وداع بھی کرنا تھا۔ میری سسکیاں جاری تھیں کہ پیچھے سے میرے بیٹے میجر خالد (عرف چاند میاں) یا چھوٹے بیٹے محمد بختیار جلیل (پرنس) کی سی مانوس آواز کانوں میں آئی۔ مڑ کر دیکھا تو ایک دبلا پتلا نوجوان آنسو بہاتے ہوئے مجھ سے پوچھ رہا تھا "اتی جی! آپ کا کتنا طواف باقی ہے؟" میں نے جواب دیا "بیٹا! ہمارے چھ چکر پورے ہو چکے ہیں" اس نے تسلی دی اور کہا "آپ نماز پڑھ لیں تو میں آپ دونوں کو آرام سے باقی طواف کرا دوں گا۔ اس وقت تک مجمع چھنٹ جائے گا۔ آپ بالکل افسوس نہ کریں!"

ہم نے اپنی اپنی صفوں میں نماز پڑھی لیکن میرے آنسو اسی طرح بہتے رہے۔ ایک تو مجھے اس بات کا دھڑکا تھا کہ حج ادھورا نہ رہ جائے، دوسرے اس چیز کا صدمہ کہ ہمیں غیر مردوں کے ہاتھوں محفوظ جگہ پر پہنچائی گئی۔ پھر بھی میں نے خدا کی مہربانیوں کا شکر ادا کیا! خاص کر اس پر کہ قدوائی صاحب کچلے جانے سے بچ گئے اور صحیح سلامت تھے۔ نماز کے بعد جب مجمع کم ہو گیا تو ہم دونوں ایک دوسرے کو تسلیاں دیتے ہوئے قریب آ گئے اور بقیہ طواف کے لئے روانہ ہوئے۔ اس نوجوان نے ہمیں اپنے ساتھ لیا اور دوسرے طواف کرنے والوں سے ہمیں بچاتے ہوئے بڑے آرام سے ہمارا ساتواں چکر پورا کرا دیا۔ دہشت اور تھکن سے میری ٹانگیں برابر

Marfat.com

کانپ رہی تھیں۔

ہمیں سخت پیاس لگ رہی تھی اور بھوک بھی۔ ابھی ہماری سعی باقی تھی مگر ہم نے طے کیا کہ وہ بعد میں کریں گے، چنانچہ اس نیک نوجوان کے ساتھ ہم نیچے اُترے۔ اُس نے ہمیں ایک جگہ کھڑا کر دیا اور کہا کہ "آپ لوگ تھکے ہوئے ہیں اور پیاسے ہیں، میں پانی لاتا ہوں" وہ ٹھنڈے پانی کی بوتل لایا اور ہمیں پانی پلایا پھر حرم شریف سے باہر آ کر ہم سل خانوں میں گھس گئے۔ اور ضروریات سے فارغ ہو کر وضو کر کے نکلے تو ہنس کر کہنے لگا "آپ نے مجھے بیٹا کہا ہے تو آئیے ہم کھانا ساتھ کھالیں۔ منیٰ سے تو کچھ کھا کر چلے نہ ہوں گے۔" میں نے کہا "ہاں بھوک تو لگی ہے۔ سامنے پاکستان ہوٹل ہے جہاں ہم کھانا کھاتے رہے ہیں۔ تم ہمیں سڑک پار کرا دو تو وہاں چل کر ہمارے ساتھ تم بھی کھانا کھالو۔" وہ خاموشی سے ہمارے ساتھ ہو لیا اور سڑک پار کرا کے ہمیں ہوٹل پر پہنچا دیا مگر اندر نہ جانے دیا کیونکہ بھیڑ بہت تھی یہاں تک کہ دروازہ تک نظر نہ آتا تھا۔ پھر خود بتائے بغیر شاید کھانے کا آرڈر دینے اندر چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد باہر آ کر ہم دونوں کو بحفاظت تمام مجمع کو چیرتا ہوا ہوٹل کے اندر لے گیا۔ ہوٹل میں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ ہر طرف بھیڑ تھی اور لوگ مشکل سے چل پھر سکتے تھے۔ بیٹھنے کی سب جگہیں بھر چکی تھیں۔ خوش قسمتی سے ایک حاجی صاحب نے اسی وقت کھانا ختم کیا تو اس نوجوان نے اُن سے کہا کہ "بابا جی! اگر آپ کھانا کھا چکے ہیں تو میری امی کو جگہ دے دیں۔" وہ نیک شخص فوراً کھڑے ہو گئے۔ اور مجھے بیٹھنے کو اشارہ کیا۔ پھر ایک دوسرے صاحب اسی میز پر کھانا ختم کرنے والے تھے، اُن سے بھی اُس نے کھانے کے بعد اپنی جگہ قدوائی صاحب کو دینے کی درخواست کی۔ "آپ کھانا ختم کر کے جائیں تو اپنی جگہ میرے ابا جی کو

کو دے دیں۔" وہ نیک بندہ فوراً اپنی جھوٹی پلیٹ سمیت کھڑا ہو گیا اور قدوائی صاحب کو بٹھا دیا۔ ایک دہ نوجوان مجمع میں گھس کر باورچی خانہ کے اسٹال پر گیا۔ اور خود کھانا لے کر آیا کیونکہ ہوٹل والوں کے بس کی بات نہ معلوم ہوتی تھی کہ وہ ہمیں اتنی آسانی سے نمٹاتے۔ وہ گرم گرم چاول مصالحے والے، مرغی کا سالن، نان، ایک جگ ٹھنڈا پانی کا، دو تین صاف گلاس ایک بڑی ٹرے میں لگا کر لے آیا۔ اور ساتھ بیٹھ کر خود بھی کھایا اور ہمیں بھی کھلایا۔ میں نے بل ادا کرنا چاہا تو اس پر ہرگز تیار نہ ہوا، کہنے لگا "میں آپ کا بیٹا ہوں اور کھانا کھلانا میرا فرض ہے تو آپ سے پیسے کیوں دلاؤں؟" قدوائی صاحب نے ضد کی اور زور دے کر کہا "یہ تمھاری سراسر زیادتی ہے، ہم بڑے ہیں، ہمیں بل ادا کرنے دو، ہم ہی تمھیں یہاں لائے ہیں اور ہم اپنے بچوں کو کھانا کھلانے باہر لے جاتے ہیں تو خود بل ادا کرتے ہیں۔" مگر وہ نہ ماننا تھا نہ مانا۔

کھانا کھلا کر وہ نوجوان انسان صورت فرشتہ ہمیں باہر لایا۔ ہم نے حرم شریف میں طواف کے لئے جانے سے پہلے اپنے ہمراہی ساتھیوں کے جمع ہونے کی جو جگہ مخصوص کی تھی ہم وہاں پہنچنا چاہتے تھے تاکہ معلوم کریں کہ وہ لوگ ہیں یا نہیں اور ہیں تو کس حال ہیں۔ اس نے ہمیں اس مقام پر لاکر بٹھا دیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک کالی چھتری تھی۔ اس نے ہوٹل لے جاتے اور وہاں سے واپس لاتے وقت ہم دونوں پر اس کا سایہ کر رکھا تھا تاکہ دھوپ کی شدت سے محفوظ رہیں۔ دیکھتے دیکھتے اس نے مجھے وہ چھتری پکڑا کر کہا "امی جی! میں ابھی آیا، ایک کام یاد آگیا ہے۔ صرف دس پندرہ منٹ انتظار کریں۔" یہاں میری دو ایک ساتھی خواتین زمین پر ہی نڈھال اور دل کی دھڑکن لئے پڑی تھیں۔ اُن کے مرد اُن کے ساتھ پریشان تھے جب تک ہم ایک دوسرے کا حال معلوم کریں؟ اتنی دیر میں وہ فرشتہ واپس

آگیا اور میری گود میں ایک پیکٹ ڈال دیا۔ میں سمجھی پھل وُل لایا ہوگا۔ بغیر دیکھے
میں نے کہا۔ "یہ تکلف کیوں کیا؟ سب کچھ تو کھلا چکے ہو" وہ ہنس کر بولا "امی جی، پیکٹ
کھول کر دیکھیں!" میں نے دیکھا تو خوبصورت سا کپڑا نظر آیا۔ میں نے کہا "کیا یہ بازار
سے آئے ہو؟" بولا "اور کھولیں" میں نے پوری طرح کھولا تو ایک شلوار سوٹ کا پیس تھا
نہایت شاندار پسندیدہ ریشمی اور ایک عدد سفید جارجٹ کا دوپٹہ۔ میں نے عاجز ہو کر
اس سے کہا "دیکھو اتنا بوجھ ہم پر مت ڈالو۔" اُدھر سے قدوائی صاحب بولے "نہیں
بیٹے، یہ سب تم کو نہیں کرنا چاہیئے۔ آخر اس کا کیا موقع تھا؟" اُن سے یہ سن کر وہ
کہنے لگا "اباجی آپ اس معاملے میں نہ بولیں۔ یہ میں اپنی امی کے لئے لایا ہوں" اور وہ
زمین پر میرے پاس بیٹھ گیا۔

ہماری وہ ساتھی خواتین اور ان کے مرد سعی کرنے کے لئے رخصت ہو چکے
تھے اور ہم بھی طوافِ زیارت کی سعی اور طوافِ وداع کے لئے جانا چاہتے تھے کہ اس
نوجوان نے خود ہی ہم سے رخصت چاہی۔ "خدا حافظ" کہتے کہتے میری آنکھیں بھر آئیں
اور وہ بھی رو دیا۔ اس نے شکایت کی کہ آپ نے مجھ سے میرا نام تک نہیں پوچھا کہ
میں کون ہوں یا کس کا بیٹا ہوں؟" قدوائی صاحب نے کہا "ہاں بیٹے، یہ ہماری بھول
ہے۔ اب تم ہمیں اپنا نام اور پتہ لکھا دو۔ پاکستان واپس پہنچ کر ہم تمہیں خط لکھیں گے
اور اپنے گھر بلائیں گے۔ تمہاری سعادت مندی سے اندازہ ہوتا ہے کہ شریف گھرانے
کے ہو۔ تم بھی ہمارا پتہ اور فون نمبر لکھ لو۔" معلوم ہوا کہ وہ پاکستانی تھا اور کراچی آتا جاتا
رہتا تھا۔ ایک دوسرے کے نام اور پتے لکھنے کے بعد وہ یہ کہتے ہوئے رخصت
"آپ نے (یعنی میں نے) جس وقت مجھے بیٹا کہا تو معلوم ہوا جیسے میری مرحومہ ماں
زندہ ہو گئیں۔ میں دس برس کا تھا جب اُن کا انتقال ہوا تھا اور میرے کان ان کی آواز
سننے کے لئے آج تک ترس رہے تھے۔ جب آپ رو رہی تھیں اس وقت میرے دل

Marfat.com

زبردست صدمہ پہنچا تھا اور آپ کو روتا دیکھ کر میں ضبط نہ کر سکا۔ اب مجھے بہت سکون ہو گیا ہے۔" میں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا، آنسو پونچھے اور دعائیں دیں۔ قدوائی صاحب نے اُسے سینے سے لگایا، پیار کیا اور دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔ یہ لوگ ہمارے پاس کھڑے یہ سین دیکھ رہے تھے۔ جب یہ نوجوان رُخصت ہو گیا تو ایک بوڑھی عورت نے پنجابی زبان میں مجھ سے پوچھا "کیا یہ تیرا پُتر ہے؟" میں نے کہا "ہاں"، لیکن میں سمجھتی ہوں کہ وہ نوجوان اللہ کا بھیجا ہوا فرشتہ تھا یا اُس کی شکل میں خواجہ خضرؑ ہمیں راہ دکھانے آئے تھے۔ میں خدا اور رسولؐ کی تعریفیں کرتی ہوئی قدوائی صاحب کا ہاتھ پکڑے صفا اور مروہ کی پہاڑیوں کے درمیان سعی کرنے جلدی جلدی حرم شریف کی طرف چل دی۔

سعی بھی ہم نے اوپر کی منزل پر ہی کی کیونکہ نیچے خلقت کسی طرح کم ہوتی نظر نہ آتی تھی، بلکہ جوں جوں دن ڈھلتا جاتا تھا حاجیوں کا ایک سیلاب تھا جو بڑھتا جا رہا تھا اگرچہ ہم بہت تھکے ہوئے تھے مگر ہماری بعض ساتھی عورتیں اور ان کے مرد پہیوں والی کرسیوں پر دوسروں کی مدد سے سعی کرتے نظر آئے، تو انہوں نے ہم سے کہا کہ ہمیں بھی چودھری صاحب کے شاگرد کرسیوں پر پھیرے کرا سکتے ہیں۔ مگر میں نے نفی میں جواب دیتے ہوئے ہنس کر کہا "اگر حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی مامتا ایک بچے کی تکلیف دور کرانے کے لئے اتنی اُبل سکتی تھی کہ انہوں نے تیز دھوپ میں جلتی ہوئی زمین پر ننگے پیر دوڑ کی تکلیف گوارا کی تو میں ماشاءاللہ سات بچوں کی ماں ہوں، مجھے تو زیادہ ہی تڑپ اور لگن سے دوڑنا چاہئیے کہ ان کے صدقے میں میرے بچوں کو بھی خدا امن و امان میں رکھے۔ کیا میں ایک عظیم ماں کی یاد کو چھت سے ڈھکے ہوئے اور سایہ دار راستے پر پیدل چل کر تازہ نہیں کر سکتی؟" یہ کہہ کر میں اور قدوائی صاحب آگے بڑھ گئے۔

دوسرے پھیرے میں ہم نے دیکھا کہ ہمارے ساتھی وہاں سے جا چکے تھے۔ ابھی

Marfat.com

شاید شام کے چار بجے تھے۔ ہم سمجھے وہ لوگ طوافِ وداع کے لئے چلے گئے ہیں۔ یہ توہمیں بعد میں معلوم ہوا کہ انہوں نے اُس دن طوافِ وداع نہیں کیا اور مکۂ معظمہ سے منیٰ واپس جانے کا فیصلہ کر کے اسی وقت نیچے اُتر گئے تھے۔ ہم نے سعی ختم کرنے کے بعد اوپر ہی نمازِ عصر باجماعت ادا کی اور ہمت کر کے طوافِ وداع بھی شروع کر دیا۔ پانی کی بوتل ساتھ تھی۔ جب تھک جاتے تو ہر چکر کے بعد دو قطرے پانی پی لیتے۔

غالباً تیسرا چکر تھا کہ قدوائی صاحب کی ہمت کچھ جواب دینے لگی اور ہم تھوڑی دیر کے لئے کبھی فرش پر، کبھی قالینوں پر لیٹ بیٹھ گئے۔ اب اندازہ ہوا کہ ہم نے واقعی ہمت سے کہیں بڑھ کر پروگرام بنا لیا تھا مگر مجبور تھے، وقت کی جو کمی تھی۔ غرضیکہ ذرا سا سستا کر میں نے قدوائی صاحب کو ہمت دلائی اور ہم نے پھر طواف شروع کر دیا۔ مگر اس چکر کے بعد خود مجھے بے انتہا تھکن محسوس ہونے لگی۔ خیال ہوا کہ پہیوں والی کرسی تلاش کی جائے۔ مگر شام قریب آ رہی تھی اور کرسی کی تلاش میں دیر لگتی۔ آخر اللہ تعالےٰ نے میری مدد کی اور کھوئی ہوئی ہمت پھر سے واپس آ گئی۔ اور طوافِ وداع پورا کر ہی لیا۔ اسی دوران میں ہم نے نمازِ مغرب بھی باجماعت ادا کی۔

طوافِ وداع پورا کر کے ہم نیچے اُترے اور حرم شریف کے باہر اس مقام پر آئے جہاں سب ساتھیوں کو جمع ہونا تھا مگر وہاں کوئی نہ تھا۔ اِدھر اُدھر دیکھا۔ میرا ماتھا ٹھنکا۔ شاید وہ سب لوگ ہمارا انتظار کر کے منیٰ کے لئے سوار ہو گئے۔ سوچا پہلے مکان پر چل کر دیکھ لیں کسی وجہ سے وہاں نہ چلے گئے ہوں۔ مگر اس مرحلہ میں تو مکان میں گھسنے یا مکۂ معظمہ میں گھومنے پھرنے کا بھی حکم نہیں تھا۔ پھر انہیں کہاں تلاش کریں۔

ہم نے جلدی جلدی ایک دکان سے ایک کلو سیب اور اپنے پُرانے نان بائی کی دکان سے دو نان یا دُم خریدے۔ رات ہو چکی تھی، مجھ پر دہشت

Marfat.com

ہماری تھی۔ کتنے ہی وسوسے ستانے لگے۔ مثلاً جلد ہی منیٰ نہیں پہنچے تو لیین صاحب کے صاحبزادے نعیم سلمہٗ ہمارا انتظار کر کے چلے جائیں گے۔ پھر صبح ہماری طرف سے تینوں شیطانوں کو کنکریاں مارنے کون جائے گا۔ انہیں خیمہ میں ہمارے انتظار میں رہنے کی اجازت نہیں ملے گی۔ ہم اُن سے اپنے سب ساتھیوں کے ساتھ منیٰ واپس پہنچنے کا وعدہ کر گئے تھے۔ قدرتاً صاحب بھی پریشانی کے عالم میں تھے کیونکہ راستوں سے ناواقفیت، زبان سمجھانے اور سمجھنے کا مسئلہ منیٰ تک کے لئے پرائیویٹ سواری حاصل کرنے کی مشکل وغیرہ وغیرہ۔ میں نے پھر اسی عزم اور ایمان کے ساتھ اپنے اللہ کو پکارا اور اس سے التجا کی "یا اللہ کوئی اردو سمجھنے اور بولنے والا بھیج دے جو ہماری رہنمائی کر سکے"۔

خدا کی قدرت دیکھیے۔ ایسے ہی وقت پر یہ کہنا پڑتا ہے کہ اللہ پر پورا بھروسہ کر کے اس سے مدد مانگی جائے تو وہ اپنے ضرورت مند بندے یا اُسے بلا کر پکارنے والے کے بہت قریب ہوتا ہے اور یقیناً مشکل آسان کرتا ہے۔ یہ بات میرے تجربے میں تیسری مرتبہ آرہی تھی کہ جب میں نے بے تابی اور پریشانی کے عالم میں اس کو پکارا اور اس سے مدد چاہی اسی لمحہ اس نے انسانی صورت میں فرشتوں کو بھیج دیا۔ اس وقت بھی ایسا ہی ہوا۔ نان پاؤ خرید کر خدا سے التجا کرتے، ہم مڑ رہی تھی کہ دیکھا تین نوجوان بیکری کے سامنے بنچ پر بیٹھے گپ شپ کرتے ہوئے کافی پی رہے تھے۔ ان میں سے دو تو حبشی تھے، تیسرا اپنے وطن کی طرف کا نظر آیا۔ خیال ہوا کہ وہ اردو جانتا ہوگا۔ میں نے اس سے پوچھا "کیوں میاں اردو بول اور سمجھ لیتے ہو؟" وہ جھٹ بول پڑا۔ "جی بتائیے کیا کام ہے؟" میں نے اس سے کہا "ہمیں منیٰ پہنچنا ہے۔ ہم اپنے ساتھیوں سے بچھڑ گئے ہیں۔ اجنبی ہیں، راستوں سے ناواقف، بسوں کا

Marfat.com

حساب کتاب نہیں جانتے، بتاؤ منیٰ کیسے پہنچیں؟"

وہ کچھ دیر تک سوچتا رہا، پھر اس نے اپنی کافی کی پیالی بینچ پر رکھ دی خاموشی سے اُٹھا اور بولا "آیئے میرے ساتھ" تھوڑے فاصلے پر بس اڈا تھا اُس نے وہاں پہنچا دیا اور رخصت ہونے لگا۔ میں نے کہا "یہ جگہ تو ہمیں معلوم تھی مگر کرایہ کیسے طے کریں اور بیٹھیں کس بس میں، یہ سب کون طے کرے گا" وہ یہ سُن کر ٹھہر گیا اور ایک وین والے سے کرایہ طے کر کے ہمیں اُس پر چڑھا دیا۔ چلتے وقت کہنے لگا "دیکھئے مجھے کتنا بخار ہے، میرا وہاں سے اُٹھنے کا قطعی ارادہ نہیں تھا لیکن آپا جان کی کمزوری اور آپ کی پریشانی دیکھتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اب مجھے اجازت دیجئے۔" میں نے اُسے دعائیں دیں، شکریہ ادا کیا، اور اللہ کا نام لے کر ہم بس میں بیٹھ گئے۔

اب سنئے کہ چوتھی بار اللہ کی طرف سے ہم دونوں کی راہبری کے لیے کیا انتظام ہوا۔ ہم دونوں پچھلی سیٹ پر تھے۔ ڈرائیور ہم سے کچھ دور اور عربی بولنے والا حبشی تھا۔ ہمارے سامنے کی سیٹ پر بھی تین حبشی بیٹھے تھے۔ رات کا سفر، نئی جگہ، غیر لوگ، بس میں ناکافی روشنی۔ میں بہت خوف زدہ اور اس لئے جلد سے جلد منیٰ پہنچنے کی خواہش مند تھی۔ دل ہی دل میں اللہ تعالےٰ سے رسول کا واسطہ دے دے کر کہہ رہی تھی کہ یہاں بھی تُو ہی مدد کر، کسی اردو جاننے والے مسافر کو بھیج دے جو منیٰ پہنچ کر ہماری رہبری کر سکے۔ یہ معلوم تھا کہ سواریاں عبدالعزیز برج پر رک جاتی ہیں۔ اس سے آگے جانے کی اجازت نہیں۔ وہاں سے آگے دور دور تک خیموں اور چلتے پھرتے حاجیوں کا ایک جنگل ہوتا ہے۔ بغیر کسی رہنما کے اپنے خیمہ تک پہنچنا ہمارے لئے کس قدر مشکل تھا۔

خدا کی شان! اسی وقت دو نوجوان ہماری وین میں سوار ہو گئے اور اردو

میں باتیں کرنے لگے۔ ہم نے اُن سے اپنی مشکل بیان کی کہ ہمارے ساتھی ہم سے پہلے منیٰ واپس گئے اور ہمیں تنہا منیٰ میں اپنے خیمے تک پہنچنا ہے۔ وہ ہم سے ہمارے خیمے کا اتہ پتہ پوچھنے لگے۔ ایک نے ہمارے معلّم کا کارڈ مانگا جس میں سارا پتہ درج تھا۔ اسے دیکھ کر وہ ہمیں عبدالعزیز برج کے آگے کا راستہ سمجھانے لگا۔ مگر جب ہم نہ سمجھ سکے اور گھبراہٹ ظاہر کی تو بولا "اچھا آپ فکر نہ کریں۔ جانا تو مجھے منیٰ ہی میں ہے لیکن خیمہ گاہوں کی طرف نہیں بلکہ اپنی کمپنی کی طرف خیر میں آپ کو آپ کے خیمے تک پہنچا کر اپنی ڈیوٹی پر جاؤں گا!" یہ سن کر میں اتنا مطمئن ہوا کہ بتا نہیں سکتی۔ اور اس وقت اللہ کا شکر ادا کرنے کے سوا میں کچھ نہ کر سکی۔ تین میل کا تو راستہ تھا، باتیں کرتے کرتے عبدالعزیز برج آگیا اور ہم سب اُترے۔ مگر غضب خدا کا اتنے سے سفر کے ڈرائیور نے ہم سے پانچ پانچ ریال لئے۔

اب ہم اس نوجوان کے ساتھ ہو لئے۔ سڑکوں پر بھیڑ کا عالم وہی تھا جو صبح مکہ معظمہ جاتے وقت تھا۔ راستہ میں پانی اور کیچڑ بھی ویسی ہی تھی۔ روشنی کم تھی اور ہم اپنے پائنچے اوپر چڑھائے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے نوجوان کے پیچھے چل رہے تھے۔ وہ جلد جلد قدم اُٹھاتا، بھیڑ کو چیرتا پھاڑتا، اور ہمیں بھی اپنے پیچھے بھگاتا، لوگوں سے پوچھتا پاچھتا، اُنہیں ہمارے معلّم کا کارڈ دکھاتا ہمیں ہمارے خیمہ کی طرف لے جا رہا تھا۔ آخر کار پاکستان کا سبز جھنڈا نظر آیا جو ہمارے خیموں کے پاس ہی ہماری حکومت کے ایک عارضی اسپتال پر لہرا رہا تھا۔ یہاں ہی ہمارے معلّم کے خیمے تھے اور ہم نے خیموں کے بیچ ٹنگے ہوئے کپڑے کے پوسٹر پر اپنے معلّم کا نام بھی دیکھ لیا۔ اب ہم خوشی سے اُچھل پڑے اور نوجوان سے کہا بس یہی ہماری جگہ ہے"۔ قدوائی صاحب اور میں نے اُسے بہت سی دعائیں دیں۔ شکریہ ادا کرنے لگے تو بولا "شکریہ ادا نہ کریں، یہ میرا فرض تھا۔ میں آپ کا بچہ ہوں۔ بس مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ خدا حافظ!"

Marfat.com

اب ہم اپنے خیمہ میں گھسے یٰسین صاحب کے صاحبزادے ہمارے انتظار میں تھے بلکہ خیمہ سے نکالے جانے والے تھے کیونکہ حاجیوں کے مہمانوں کو ۹ بجے رات کے بعد وہاں ٹھہرنے کی اجازت نہیں تھی۔ قدوائی صاحب نے اگلے دن یعنی ۱۲ ذی الحجہ کو شیطانوں پر پھینکنے کے لئے کنکریاں گن کر نعیم کو دیں اور ان سے مکۂ معظمہ سے دیر میں واپس پہنچنے کی معذرت کی۔ اس کے بعد نعیم واپس چلے گئے اور اگلے دن کنکریاں پھینکنے کے بعد نو دس بجے تک آنے کا وعدہ کیا۔ ہمارے ساتھی ہمیں دیکھ کر خوش ہو گئے۔ ہم اپنی چٹائی پر بیٹھ گئے ہیں ان لوگوں سے ہمیں مکۂ معظمہ میں تنہا چھوڑ کر واپس آنے کی شکایت کرنے لگی۔ انہوں نے کہا کہ خانۂ خدا میں ہمیں ڈھونڈنے کی سب نے کوشش کی مگر ہجوم کی وجہ سے مجبور ہو گئے۔ اس کے علاوہ انہیں اسی دن طواف وداع کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ انہوں نے مقررہ جگہ پر بھی ہمارا بہت انتظار کیا۔ ہاں، حرم شریف میں اوپر جا کر نہ دیکھا اور چونکہ رات ہو گئی تھی وہ سمجھے ہم ان کا انتظار کر کے منیٰ کے لئے روانہ ہو گئے ہوں گے۔ خیر ہم نے انہیں معاف کیا اور ہنسنے بولنے لگے۔

میں نے سب کو طواف زیارت سے لے کر طواف وداع اور منیٰ تک واپس پہنچنے کی تفصیل سے کہانی سنائی۔ اور ہاں گھڑی گھڑی انہیں اپنے پیر دکھائی "دیکھئے میرے پیروں کا حال، کتنے سوج گئے ہیں۔ یقیناً میں کہیں چکر کھا کر گر پڑتی۔ بلڈ پریشر کی زیادتی سے میرے دماغ یا دل کی رگ پھٹ جاتی تو کیا ہوتا؟ میرے میاں اکیلے حج کرتے یا مجھے کفنانے دفنانے میں رہتے اور اس غیر ملک میں یہ سب کیسے کرتے؟"

سارے لوگ ایک زبان ہو کر بولے "توبہ کریں بیگم قدوائی، ہم سب کا حج انشاءاللہ پورا ہوگا اور ہو ہی رہا ہے۔ اللہ مدد کر رہا ہے اپنے بندوں کی۔ اس کا احسان ہے ہم سب پر۔ آپ نے واقعی حد کر دی۔ آپ کی ہمت پر آفرین ہے۔ اب ہم لوگ تو کل مکۂ معظمہ پہنچ کر طواف وداع کریں گے اور رات ہی کو جدّہ کے لئے روانہ ہو

Marfat.com

جائیں گے۔ تاکہ وطن واپس پہنچنے کے لئے وقت پر ایئرپورٹ پہنچ جائیں"۔ میں نے پانی مانگا اور ٹانگیں پاک کیں۔ پھر وضو کیا، عشاء کی نماز پڑھی۔ قدوائی صاحب نے الگ پڑھی اور درود شریف پڑھتے ہوئے پہلے والی ترتیب سے سو گئے۔ قدوائی صاحب اور باقی ہمارے ساتھی بھی خراٹے لینے لگے۔

دوسری صبح نعیم میاں کی آمد کا انتظار تھا۔ تقریباً دس بجے صبح وہ آئے اور اطمینان دلایا کہ وہ تینوں جمرات کو ہماری طرف سے بھی کنکریاں مارنے میں کامیاب ہو گئے۔ ہم نے اُن کا اور ساتھ ہی ان کے والدین کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔ خاص کر نعیم کے لئے دل سے دعا نکلی اور ہمیشہ نکلتی ہے۔ اللہ تعالےٰ اُنہیں خوش رکھے اور چونکہ شادی شدہ ہیں (اگرچہ اس وقت ان کی دلہن کراچی میں تھیں) دونوں کو صاحبِ اولاد کرے۔ ان چار نوجوان لڑکوں کے لئے بھی جو خضرِ راہ بن کر مختلف موقعوں پر ہماری مدد کے لئے ساتھ ہوئے تھے دعا گو رہتی ہوں۔ یہ لوگ دین و دُنیا کی دولت سمیٹیں۔ یہ جہاں رہیں خوش رہیں۔ ان کی مشکلات بھی اسی طرح آسان ہوتی رہیں جس طرح انہوں نے ہماری مشکلات کو دور کرنے میں آسانیاں پیدا کیں۔ (آمین) نعیم سلمہٗ کی خیریت تو ان کے والد صاحب سے معلوم ہوتی رہتی ہے جو سعود آباد میں رہتے ہیں لیکن اس کا افسوس ہے کہ اقبال بیٹے کا کوئی پتہ نہیں جس نے جب ہم دونوں جمعہ کے دن حرم شریف کی اوپر کی منزل پر ہجوم کی وجہ سے گر پڑے تھے ہمیں طواف مکمل کرنے میں مدد دی تھی۔ ہم نے اسے خطوط بھی لکھے۔ اس نے ہمیں اپنا پتہ دیا تھا اور ہمارا پتہ لیا تھا۔ نہ اُس کا کوئی خط آیا نہ وہ یہاں آکر ہم سے ملا، حالانکہ وہ پاکستانی تھا اور ہم سے کراچی میں آکر ملنے کا وعدہ کیا تھا۔

اب ہمارا حج بیت اللہ خداوند تعالےٰ کے فضل و کرم سے مکمل ہو چکا تھا جب کہ ہمارے ساتھیوں کا ابھی طوافِ وداع باقی تھا۔ چنانچہ اسی دن ظہر کی

نماز سے پہلے ہم معلم کی بس کے ذریعے مکۃ معظمہ واپس پہنچ گئے۔ ہم دونوں چونکہ بالکل فارغ تھے لہٰذا کمرے پر ٹھہر گئے۔ نہائے دھوئے کپڑے بدلے۔ دوسرے ساتھی حرم شریف گئے اور طواف وداع سے فارغ ہو کر کمرے پر لوٹے۔ اس اثناء میں ہم حسب معمول ہوٹل گئے اور کھانا کھایا۔ ظہر اور عصر کی نمازیں ادا کرنے کے لئے ہم بھی حرم شریف چلے گئے اور عصر کی نماز کے بعد واپس آئے۔

میرا بلڈ پریشر شاید بہت زیادہ بڑھ چکا تھا جس کی وجہ سے میرے اوپر غنودگی طاری تھی اور میں آتے ہی گولی کھا کر بستر پر لیٹ اور سو گئی۔ ایئر کنڈیشنر کی وجہ سے ٹھنڈک بھی تھی آرام ملا۔ کمرے میں تو دن میں بھی بلب جلتے تھے۔ اذان پر اٹھی تو وقت کا کچھ اندازہ نہ ہوا۔ دماغ بالکل بند تھا۔ وضو کر کے عصر کی نماز مغرب کی نماز کی بجائے دوبارہ پڑھ لی۔ جب پڑھ چکی تو اچانک خیال آیا یہ تو مغرب کا وقت تھا چنانچہ اسی وقت مغرب کی نماز ادا کی۔ قدوائی صاحب نے بھی کمرے میں ہی نماز پڑھی۔ پھر دکانوں تک لے گئے تاکہ میں کچھ خریداری کر لوں۔ یہ ہمارا مکۃ معظمہ میں آخری دن تھا۔ چنانچہ بوجھل دماغ اور تھکے ہوئے پیروں سے ان کے ساتھ ہولی جلدی جلدی کپڑے کی کڑھی ہوئی کچھ ٹوپیاں اپنے بیٹوں، دامادوں، پوتوں اور نواسوں کے لئے خریدیں۔ کچھ تسبیحیں اپنی بیٹیوں، بہوؤں، پوتیوں اور نواسیوں کے لئے لیں۔ اپنے گھر کے لئے مخمل پر بنا ہوا حرم شریف کا ایک بہت بڑے سائز کا دیوار پر لٹکانے والا رنگین مرقع یا نقشہ خریدا تھا جو اس وقت بھی میرے بڑے کمرے کی دیوار پر لٹکا ہوا ہے اور اٹھتے بیٹھتے ہر وقت میری آنکھوں کے سامنے رہتا ہے۔ اسے دیکھ کر اپنے حج بیت اللہ کے زمانے کے ابتدا سے انتہا تک کے حالات اور واقعات کی چلتی پھرتی تصویریں سامنے آجاتی ہیں۔ جو میرے دل پر مرتے دم تک نقش رہیں گی۔ اس کے علاوہ ایک جیری کین صرف پانچ لیٹر کا

Marfat.com

آبِ زم زم سے بھروا لیا۔ بس یہ تھی کل کائنات یا سوغات جو میں وہاں سے تبرک کے طور پر لائی۔ اس کو خریداری کہہ لیں یا یادگارِ حج بیت اللہ۔

خریداری کے بعد تھکی ہاری آکر پھر سو گئی۔ عشاء کی اذان پر آنکھ کھل گئی لیکن حرم شریف جانے کی ہمت نہ ہوئی۔ قدوائی صاحب عشا کی نماز کے لئے تنہا گئے۔ ایک بار پھر مغرب کا وقت سمجھ کر نماز مغرب ادا کرلی۔ جب پڑھ چکی تو ساتھیوں سے پوچھا "یہ کون سی اذان تھی؟" انہوں نے کہا "عشا کی"۔ مجھے خود پر ہنسی بھی آئی اور اپنی بھول پر غصہ بھی کہ مغرب کی اور عشاء کی نمازوں کے درمیان دو نمازیں مزید پڑھ لیں۔ نماز پڑھتے ہی پھر سو گئی اور ایسی سوئی کہ بالکل بھول گئی کہ ابھی واپسی کے سفر کے لئے پھر اٹھنا ہوگا اور یہ کہ اگلی صبح جیسا کہ بتا چکی ہوں پرواز سے ۲۴ گھنٹے پہلے ہم سب کو جدہ کے ایئرپورٹ پر رپورٹ کرنا تھا۔

اس رات ویگنوں نے واپس جانے والے حاجیوں کے ہجوم کو دیکھ کر کرائے بے تحاشا بڑھا دیئے تھے۔ ایک انار سو بیمار کا معاملہ تھا نعیم سلمہٗ اور چودھری صاحب کے داماد کی بے انتہا دوڑ دھوپ کے بعد ہم بارہ ساتھیوں کے لئے کوئی دو بجے رات کو ایک ویگن ایک ہزار ریال کرایہ پر ملی۔ اس اثناء میں میں بالکل بے ہوش پڑی سوتی رہی۔ کھانے کے لئے بھی نہیں اٹھی۔ قدوائی صاحب بازار سے کچھ چیزیں لے آئے تھے۔ مگر میں نے کچھ نہیں کھایا۔ اب انہوں نے چلنے کے لئے جگایا تو مجھے بہت برا لگا۔ میرا سر بھاری تھا اور کانوں میں جیسے چکی چلنے کی آواز آرہی تھی مگر مجبوراً اٹھنا پڑا۔ قدوائی صاحب نے میرے سوتے میں سب سامان پہلے ہی باندھ لیا تھا اور نعیم کے ہاتھوں باہر بھجوا دیا تھا۔ اپنا بڑا پرس سنبھال کر ویگن میں بیٹھنے کے لئے گلی کے نکڑ تک پہنچ گئی تو محسوس کیا کہ عینک کمرے میں ہی چھوڑ آئی۔ دوبارہ واپس دوڑی عینک اٹھائی[69] اور جہرے پر جیسا کی تو سب کی صورتیں

صاف نظر آنے لگیں۔ اس عینک سے بہت پیچھا چھڑانا چاہا لیکن تیرہ چودہ برس کی عمر سے جو چمٹی ہے تو اب زندگی بھر کی ساتھی بن کر رہ گئی ہے۔

جدہ ایرپورٹ پر پہنچتے ہی میں نے پانی کے گھونٹ سے بلڈ پریشر کی گولی کھائی۔ صبح ہو رہی تھی۔ پہلے فجر کی نماز پڑھی پھر قدوائی صاحب نے ایرپورٹ کے ریسٹورنٹ میں لے جا کر گرم کافی اور معمولی درجہ (لمبی ڈبل روٹی) اور اعلیٰ درجہ کے پنیر کا ناشتہ کرایا۔ دو تین مرد پی آئی اے کے دفتر کے چکر کاٹ رہے تھے۔ بڑی مشکل سے ملا مگر بند تھا اور عملے کا کوئی آدمی بھی نظر نہ آیا۔ انکوائری سے معلوم کرنے پر معلوم ہوا کہ ہم لوگ غلط جگہ پر اتار دئیے گئے تھے ہمیں حج ٹرمینل پر اتارنا چاہیئے تھا۔ سب کو بڑی مایوسی ہوئی۔ ادھر سب کے دلوں میں یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ اگر ٹرمینل پر اپنی آمد کی دیر سے رپورٹ کی تو کہیں ہماری فلائٹ نہ ختم ہو جائے۔ اور دوسری فلائٹ کے لئے ہم پھر نہ معلوم کب تک پڑے رہیں۔

یسین صاحب کے صاحبزادے اور چودھری صاحب کے شاگردوں اور داماد نے اپنے ذاتی انتظام سے حج ٹرمینل پر پہنچنے کا وعدہ کیا تھا تاکہ ہمیں خدا حافظ کہہ سکیں۔ یہ پریشانی بھی تھی کہ وہ ہم میں سے کسی ایک کا نام و نشان وہاں نہ پائیں گے تو ہمارے انتظار میں فکر مند ہوں گے۔ چنانچہ محمد علی صاحب اور قدوائی صاحب حج ٹرمینل کی طرف پیدل گئے تاکہ کم از کم پی آئی اے والوں کو اپنی حاضری تو لکھا دیں۔ حج ٹرمینل یہاں سے بہت دور تھا اور کوئی ڈیڑھ بجے تک ہم سب سڑک کے ایک طرف فٹ پاتھ پر جہاں ٹیکسی والے نے ہمیں اتارا تھا مع سارے سامان کے محمد علی صاحب اور قدوائی صاحب کی واپسی کے انتظار میں چھتریاں کھولے بیٹھے رہے۔ خدا خدا کرکے محمد علی صاحب واپس آئے

اور اپنے ساتھ ٹیکسی لائے۔ اس پر کچھ سامان چڑھایا اور کچھ مرد اور عورتوں کو اس میں بٹھا کر اپنے ساتھ ٹرمینل پر لے گئے۔ اتنے میں نعیم کسی دوست کے ساتھ گھومتے ہوئے نظر آئے۔ وہ ہم سب کو ہی ڈھونڈنے نکلے تھے۔ انہوں نے ہم تین عورتوں یعنی بیگم لیٰسین، بیگم محمد علی، مجھے اور ایک مرد یعنی لیٰسین صاحب کو اپنی کار میں بٹھایا اور بقیہ سامان ڈگی میں رکھا اور بالآخر ہم بھی حج ٹرمینل پر پہنچ گئے۔ قدوائی صاحب ٹرمینل پر ہی رک گئے تھے اور تھک گئے تھے، اس لئے واپس نہیں آئے تھے۔ وہاں پہنچ کر محمد علی صاحب باقی سامان اٹھوانے کے لئے ایک ویگن لے کر پھر ایئرپورٹ گئے اور کوئی گھنٹہ بھر میں واپس آئے۔

حج ٹرمینل پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ اگرچہ کوئی دو بجے دن کا عمل تھا لیکن پی آئی اے کا دفتر نہیں کھلا تھا۔ بعد میں بہت دیر سے کھلا۔ فی الحال کچھ کھانے پینے کے لئے نظر دوڑائی سامنے ہر قسم کے سامان کے اسٹال موجود تھے۔ سنگِ مرمر کے فرش پر کرسیاں میزیں پڑی تھیں اور کسی بھی دوکان سے گرم گرم چائے اور کھانا مل سکتا تھا اور چائے، کافی یا تازہ پھل یا ڈبوں میں بند پھلوں کا رس پیا جا سکتا تھا۔ جگہ جگہ کولر بھی لگے ہوئے تھے۔ جدید غسل خانے اور بیت الخلاء بھی بنے ہوئے تھے۔ جب سب طرح کا اطمینان ہو گیا تو ہم نے گرم گرم مرغ بریانی اور دہی کا رائتہ لے کر کھایا اور انناس کے ٹھنڈے رس کا ایک ایک گلاس پیا۔ پھر وضو کیا اور ظہر کی نماز ادا کی۔

یہ پورا دن اور ساری رات ایسے ہی کبھی سو کر کبھی جاگ کر گزاری یا ایئرپورٹ پر ادھر اُدھر گھوم کر جیسے ریل کے پلیٹ فارم پر ٹہلتے ہیں اس طرح وقت کاٹا۔ نمازیں پڑھیں۔ رات میں مرغیوں کا قورمہ اور روٹی جو نعیم خود پکا کر لائے تھے کھانا کھایا۔

دوسرے دن علی الصباح پھر دفتر کھلا۔ پہلی فلائٹ سے جانے

Marfat.com

والے پاکستانیوں کے لیئے اعلانات شروع ہو گئے۔ قدوائی صاحب اور ہم نے کپڑے بدل لئے تھے اور فجر کی نماز سے فارغ ہوئے تو ہم ضروری تلاشی کے بعد لاؤنج میں بھیج دیئے گئے۔ سامان تولا گیا۔ چودھری صاحب کا سامان چونکہ زیادہ نکلا اس لئے کچھ سامان ہم نے اپنے ٹکٹوں پر وزن کرا لیا۔ کیونکہ ہمارے ساتھ بمشکل تمام ایک چھوٹا اٹیچی کیس تھا اور افتخار سید صاحب کے دو عدد فوم کے پتلے پتلے گدوں اور ہماری چٹائی کا بنڈل تھا۔ یہ گدے افتخار صاحب نے کہا تھا کہ ہم اپنے ساتھ کراچی واپس لیتے جائیں، جب کبھی وہ آئیں گے تو ہم سے لے لیں گے۔ پھر بھی چودھری صاحب کو فالتو سامان کا کرایہ ادا کرنا پڑا۔ شاید انہیں وزن کا صحیح اندازہ نہیں ہوا اور خریداری زیادہ کی تھی۔

لاؤنج میں بیٹھے بیٹھے تقریباً تین ساڑھے تین گھنٹے گذر گئے۔ جہاز کا نہ اب پتہ تھا نہ تب۔ سارے حاجی بھوک پیاس سے پریشان بغیر ناشتہ کئے ہوئے تھے اور گرمی کی شدت تھی زیادہ تر مرد اور عورتیں بیمار اور ضعیف تھے کچھ لوگوں نے شور غل شروع کیا۔ ڈائریکٹر حج خدا حافظ کہنے کے لئے تقریر کرنا چاہتے تھے مگر بعض حضرات نے اتنی دیر بھوکا پیاسا بٹھائے رکھنے اور روانگی میں وقت کی پابندی نہ کرنے کی وجہ سے جو غم وغصہ تھا اس کی بنا پر انہیں بولنے نہیں دیا۔ آخر کار کچھ سمجھدار اشخاص نے شور ختم کرایا۔ خدا خدا کر کے جہاز پر سوار ہونے کے لیئے اعلان کیا گیا۔ افسران پی آئی اے مقیم جدہ نے خدا حافظ کہا اور سارے حاجی جہاز میں بیٹھ گئے۔ فوراً ہی ناشتہ اور چائے ملی اس کے علاوہ ٹھنڈے مشروبات بھی مل رہے تھے۔ ہم نے خدا کا شکر ادا کیا۔

ساڑھے تین گھنٹے بعد جہاز کراچی ایئرپورٹ پر اترا۔ یہاں اپنے سامان

Marfat.com

کے انتظار اسے چھانٹنے اور بچے ہوئے ریالوں کو بدلوانے میں خاصی دیر لگی اب ہم نے اپنے دو مہینے کے ساتھیوں سے اجازت لی ایک دوسرے سے جدا ہوتے وقت ہماری آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور دل بے تاب ہو گیا۔ خاص کر چودھری صاحب نے ہمیں بڑی محبت سے رخصت کیا۔ ہم نے پاکستان میں ایک دوسرے سے ملنے اور خط و کتابت جاری رکھنے کے وعدے کئے۔

چلنے سے پہلے ہم نے کراچی واپس پہنچنے کی اطلاع اپنے چھوٹے بیٹے پرنس کو افتخار رسید صاحب کے ذریعہ فون پر بھجوا دی تھی۔ اس سے کچھ دن پہلے ایک خط بھی ڈال دیا تھا۔ لہٰذا وہ اور بڑا بیٹا پروفیسر معروف (صدر شعبۂ ریاضیات' این ای ڈی یونیورسٹی) اپنی دلہن ڈاکٹر عزیز فاطمہ اور دونوں بچوں اوصاف اور ایاز سمیت لینے آئے ہوئے تھے۔ ہمارے چھوٹے داماد اسکواڈرن لیڈر فیروز' ان کی بیوی (ہماری چھوٹی بیٹی تزئین عرف پاری) اور ان کے تین ننھے منے بچے بھی کورنگی کریک پی اے ایف بیس سے آئے ہوئے ایئر پورٹ پر ہماری آمد کے منتظر تھے۔ ہمارے بیٹے میجر خالد قدوائی کے خسر مرزا بیگ بھی معہ اپنی بیگم صاحبہ کے موجود تھے۔

ٹرمینل سے مع سامان ہم باہر آئے تو دیکھا پرنس ہمیں ڈھونڈھ رہے ہیں۔ وہ ہمارے پاس سے نکلے جا رہے تھے کہ قدوائی صاحب نے پکارا" ارے میاں کہاں بھاگے جا رہے ہو پرنس؟" اپنا نام سنتے ہی پرنس نے مڑ کر دیکھا تو خوشی سے آن کر ان سے لپٹ گیا۔ اس نے انہیں پہچانا نہیں تھا کیونکہ ایک تو وہ بے حد دبلے اور نحیف ہو گئے تھے اور رنگ بھی جھلس گیا تھا۔ دوسرے سر منڈا ہوا تھا اور لباس بھی عربوں کا پہنے ہوئے تھے۔ میں شاید مجمع زیادہ ہونے یا چہرہ چادر سے ڈھکا ہونے کی وجہ سے اسے نظر نہ آ سکی تھی۔ خیر پرنس نے جلدی

Marfat.com

سے سڑالی سنبھالی اور یہیں پر آمد سے کے دوسرے سرے پر جہاں معروف اور دوسرے لوگ کھڑے تھے لے گئے۔ سب ہم سے گلے ملے اور مبارک باد دی۔ کاریں تیار کھڑی تھیں سامان اُتروا کر ہم اپنی کار میں پرنس کے ساتھ اور وہ لوگ اپنی اپنی گاڑیوں میں بیٹھ کر خیر سے گھر آ گئے۔ سب کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔

جہاں میں رہتی ہوں وہاں کے مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے، جوان سب ہی آ کر مبارکباد دیئے مبارکباد دینے لگے اور یہ سلسلہ بہت دنوں تک جاری رہا۔ دوست عزیز، رشتہ دار سب نے اپنے خلوص اور محبت کا اظہار اس طرح کیا کہ کچھ مٹھائیاں اور پھولوں کے ہار لے کر آئے، کچھ نے زوردار دعوتیں دیں۔ دعوت دینے والوں میں پہلی عزیزہ مسز شہناز خالد نے دی جو اس کم عمری میں خود حج کر چکی ہیں۔ ایک شاندار دعوت کوزی ہومز ایسوسی ایشن کی کارکن بہنوں نے دی۔ اس ایسوسی ایشن کی میں سیکرٹری رہ چکی ہوں۔ اور اب کارگذار صدر ہوں۔ ایک عرصہ تک میں خوابوں میں خود کو حرم کعبہ میں پاتی رہی! کبھی طواف کرتے، کبھی قدوائی صاحب کو اُٹھاتے ہوئے کہ طواف کے لیے نہیں چلنا ہے؟

الحمدللہ حج بیت اللہ نصیب ہوا لیکن طبیعت سیر نہیں ہوئی۔ دل چاہتا ہے کہ دوبارہ حرم کعبہ اور روضۂ اقدس پر حاضری دوں، جی بھر کر نمازیں اور درود پڑھوں، سلام بھیجوں، مکۂ معظمہ اور مدینۂ منورہ کی گلیوں میں پھر اُسی بے قراری کے ساتھ گھومتی پھروں، خانۂ کعبہ کا طواف کروں اور مسجد نبویؐ کی طرف بے تحاشا بھاگوں، جا بے گروں اور چوٹیں کھاؤں یا ذلتیں اُٹھاؤں۔ کاش کہ ایسا ہو جائے۔

Marfat.com

تصریحات

۱۔ یہ مرحلہ اتنا مختصر اور آسان نہ تھا جتنا میری رفیقۂ حیات نے لکھ دیا ہے۔ ہم حج کی صعوبتوں کو برداشت کرنے کے لئے ہر طرح بہ رضامندی بہ رضائے الٰہی تھے اور صعوبتوں کو صبر و ضبط کے ساتھ برداشت کرنے کا حکم بھی ہے، ورنہ حج مکروہ ہوتا ہے لیکن اگر بدانتظامیوں کی اصلاح منظور ہے (اور میں نہیں سمجھتا کہ حاجیوں کو سفرِ حج کی تکالیف برداشت کرنے کا حکم خداوندی کسی طرح بھی کار پردازانِ متعلقہ کو بدنظمی اور غیر ذمہ داری کی اجازت مہیا کرتا ہے) تو میں مثالاً بے شمار میں سے کم از کم دو امور کا ضرور ذکر کروں گا جن کے باعث ایک میں مجھے اور میری بیوی کو اور دوسرے میں حاجیوں کے ایک پورے جم غفیر کو بلا وجہ بے انتہا زحمت اٹھانی پڑی۔

ہمیں پی آئی اے کے جو ٹکٹ بالکل آخری مرحلہ پر دیئے گئے تھے ان میں سے بیوی کے ٹکٹ پر ان کے نام کے ساتھ مسز کے بجائے بڑے بڑے حروف میں مسٹر یعنی نام مسٹر ہرمزی جمیل قدوائی لکھا گیا تھا۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ایک غیر ملک خصوصاً سعودی عرب جیسے خالص اسلامی ملک میں ہوائی اڈہ پر یا وہاں کے دورانِ قیام میں یا کراچی سے روانگی کے وقت خود اپنے ایئرپورٹ پر یا سفر کے راستے میں اس غلطی کی وجہ سے کتنی زبردست قباحتیں بلکہ خطرات پیش آ سکتے تھے۔ چنانچہ کم سے کم وقت میں ٹکٹ پر نام کی تصحیح کے سلسلے میں کراچی سے اسلام آباد تک فون پر ایک اودھم مچا رہا اور اس معاملہ میں ہمیں آسانی پہنچانے کے بجائے نہ صرف کوئی اس حماقت کی ذمہ داری لینے کو تیار نہ تھا بلکہ ہر شخص الٹا ہمیں سے الجھتا بلکہ ڈانٹ ڈپٹ اور دھمکیوں سے کام لیتا تھا۔

Marfat.com

دوسری زحمت جو پیش آئی یہ تھی کہ بریفنگ کے لئے سب کو حاجی کیمپ آخری دن ۶ بجے شام کو بلایا گیا تھا مگر کارروائی دس بجے رات کے بعد شروع ہوئی کیمپ میں متعلقہ افسران میں سے کوئی موجود نہ تھا۔ ہرطرف انتشار تھا۔ فون کھڑکائے جارہے تھے یعنی اہل کاروں کے گھروں پر اور وہ وہاں بھی نہ تھے۔ احتجاج کی چیخ پکار نے میدانِ حشر کا سماں پیدا کر دیا تھا۔ اس وقت سے رات کے کوئی بارہ بجے کے بعد فراغت ہوئی۔ اور بھوکے پیاسے گھر واپس پہنچے تو بیسیوں اعزا۔ اور احباب نیز بعض بزرگ جو رخصتی ملاقات یا مبارکباد یا دعاؤں کے لئے آئے تھے مایوس ہو کر جا چکے تھے۔

۲۔ خواتین اور مردوں کی نشست کا علیحدہ علیحدہ انتظام تھا مگر صرف نمازِ فجر کی ادائیگی تک کیونکہ بعد ناشتہ اور جہاز کے انتظار کے لئے ہال میں بیٹھنے میں دونوں کا ساتھ ہو گیا۔ ناشتہ بہ افراط تھا اور انتظام مستحسن۔ مردانے میں نماز باجماعت کی شان کا کیا حال بیان کیا جائے۔ پاک وصاف سفید احراموں میں ملبوس تمام حاجی جیسے کوئی روحانی یا سماوی مخلوق معلوم ہوتے تھے۔ اتنے میں کسی نے انتہائی خوش الحانی کے ساتھ اذان دی۔

ع وہ نعرہ کہ ہل جاتا ہے جس سے دل کہسار (اقبالؒ)

مگر وہاں تو سارا ایئرپورٹ جیسے لطیف ہو گیا۔ بلکہ ساری فضا جیسے منور ہو گئی۔ جی ہاں کبھی آوازیں بھی روشنی ہوتی ہے۔ غالب نے "ہر تان ہے دیپک" کہا تھا اور ریاض نے "نور کی آواز" میں اپنی غزل سننے کی تمنا کی تھی تو اذان کی آواز میں نور کیوں نہ ہوتا جو انسان کا "اللہ نور السموات والارض" سے رشتہ ملانے تعلق پیدا کرنے والی چیز تھی! اس کے بعد ایک حاجی صاحب کی امامت میں ان کی قرأت سے نماز باجماعت کا لطف دوبالا ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوا کہ ہم خانۂ کعبہ میں داخل

ہو چکے ہیں، بلکہ کعبۃ اللہ کے عین سامنے نماز پڑھ رہے ہیں۔ پھر جو لبیک اللّٰھم لبیک کے نعرے بلند ہوئے تو ائیرپورٹ کی چھت اڑنے کو تھی۔ کچھ نہ پوچھئے کہ قلب و روح پر کیا گزر رہی تھی!

۵۳ ایسا نہیں سوچنا چاہیئے تھا خدا کے فضل سے سب کے حج قبول ہوتے ہیں۔ حضورؐ کا ارشاد ہے "جو مومن اس دن (یعنی عرفہ کا دن) احرام کی حالت میں گذارتا ہے اُس کا سورج ڈوبتا ہے تو اس کے گناہوں کو لے کر ڈوبتا ہے۔" (سیرۃ النبیؐ بحوالہ "چند دن حجاز میں" مؤلفہ الحاج محمد زبیر)۔ اس قسم کی اور بہت احادیث ہیں۔

۵۴ کوئی دو منٹ سے زیادہ کی تقریر نہیں تھی اور بالکل سپاٹ، روحانیت سے معرّا۔ معلوم نہیں ہم لوگوں کو بچوں کی طرح ہر شخص، ہر قدم پر یہی کیوں یاد دلاتا تھا کہ ہم پاکستانی ہیں اور غیر ملک میں اپنے افعال و حرکات سے ایسا کوئی موقع نہ فراہم کریں کہ وطن کی بدنامی ہو۔ حالانکہ ہر حاجی اُس سرزمینِ مقدس میں ثواب کمانے، اپنے گناہوں کو معاف کرانے، وہاں کے قیام اور ادائے فرائض اور توبہ و استغفار کے بعد اپنی ذات میں ایک مبارک و مستحسن انقلاب پیدا کرنے ہی کی نیت سے جا رہا تھا۔ مستثنیات کو چھوڑ کر عام جذبہ سفرِ حج کا سب کا یہی تھا اور رہتا ہے، اس لئے مندرجۂ بالا تلقین میرے خیال میں کچھ ضرورت سے زیادہ ہی رہی، اور پھر بعض صورتوں میں ایسے حضرات کی طرف سے بھی جن کے بارے میں پورے یقین سے یہ شعر پڑھا جا سکتا ہے ؎

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت ۔۔۔ دامن کو ذرا دیکھ ذرا بندِ قبا دیکھ

اور تو اور پاکستان بلکہ تمام عالمِ اسلام آج جن خطرات سے دوچار ہے، ان سے کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہونے اور مسلم اُمّہ کے درمیان اتحاد و استقلال پیدا ہونے کے لئے دعا کرنے کی تلقین بھی واجبی سی تھی۔

قیاس کن ز گلستانِ من بہارِ مرا!

ھ۵ تعجب ہے کہ ہوائی جہاز سے اُترنے کے بعد ہم نے سفیر صاحب کو اپنے عملہ کے چند افسروں کے ساتھ تھوڑی دیر کے لیئے ایک ہی جگہ کھڑے آپس میں باتیں کرتے تو دیکھا اس کے بعد تلاش کے باوجود ان میں سے کوئی بھی نظر نہ آیا۔ ہمیں عربی زبان سے ناواقفیت کی وجہ سے کسٹم وغیرہ کی کارگزاری اور ایئرپورٹ کے عملہ سے نپٹنے میں عام رہنمائی کے سلسلے میں اُن کی امداد کی بڑی ضرورت تھی۔ مگر ہم اس سے محروم رہے۔ خود ہی الٹا سیدھا جو سمجھ میں آیا اس کے مطابق یا دوسروں کو دیکھ دیکھ کر اس دُشوار مرحلہ سے گزرے بلکہ سعودی عرب کے عملے خاص کر بعض حبشی یا حبشی نما افسروں نے ہمارے حال پر مہربانی کی۔

ھ۶ یہ ایک صاحب گھنٹوں بعد جب ہم اپنی مشکلات حل کر کے ڈیلنگ ہال میں آگئے اور ہر طرف اپنا سامان لیے بھٹک رہے تھے ہمارے پاس سے ہم سے زیادہ بدحواسی کی حالت میں گزرتے چلے جا رہے تھے تو ہم نے انہیں آواز دی۔ انہوں نے چلتے چلتے ہم سے کچھ کہا اور پھر غائب ہو گئے۔

ھ۷ واضح ہو کہ معلّم صاحب اور اُن کے عملہ وغیرہ سے متعلق فرائض کی مد میں ہر حاجی کے زرِ مبادلہ میں سے ۲۹۶½ ریال یعنی کم و بیش بارہ سو روپیہ کراچی میں وضع کر لیئے گئے تھے مگر سرکاری ہدایت نامے میں یہ مضمون دیکھ کر ہمیں سخت تعجب اور مایوسی ہوئی کہ معلّم صاحب سے خدمت کی بہت زیادہ توقع نہیں رکھنی چاہیئے اس لئے کہ حج کے موسم میں اتنے بڑے کاروبار میں وہ خود بدحواس ہوتے ہیں!! تاہم میرے خیال میں ان سے کم سے کم یہ توقع تو کسی طرح بے جا نہیں سمجھی جا سکتی تھی کہ اُن کا کوئی نمائندہ جدہ جیسے شاندار اور بڑے ایئرپورٹ پر اُن کے ملک میں آنے کے طور طریق سے بالکل اجنبی اور

Marfat.com

اُن کی زبان سے عموماً ناواقف لوگوں کی رہنمائی کے لئے موجود ہوگا۔

ہمیں حج کے دورانِ قیام میں معلّم کے کارندوں سے معلوم ہوا کہ معلّم کا کام ایک طرح پر سعودی حکومت کی خاطر حاجیوں کا پتہ اور نشان، ان کی حرکات و سکنات کی یادداشت اور اُن پہ اپنا عمومی کنٹرول رکھنا ہوتا ہے۔ گویا معلم ہمارا نہیں سعودی حکومت کا اہل کار ہوتا ہے مگر عجیب بات ہے کہ یہ کام حاجیوں کے خرچ پر ہوتا ہے۔ چنانچہ جیسا کہ آگے بھی آئے گا دورانِ حج معلم کی حاجیوں کی طرف سے عام بے توجہی ہماری سمجھ میں آ گئی۔

اس سلسلے میں یہ لطیفہ بھی خوب رہا کہ سرکاری کاغذات میں درج تھا کہ ہر حاجی کو اپنی مرضی کا معلم منتخب کرنے کا اختیار ہوگا۔ چنانچہ حج کی درخواستوں کے فارم کے ساتھ ہمیں دو فہرستیں معلموں کے ناموں کی بھی دی گئی تھیں ان میں سے ایک میں بہتر اور دوسری میں کم بہتر کارکردگی رکھنے والے معلموں کے نام درج تھے اور ہمیں ان میں سے تین منتخب کرنے تھے جن میں سے ہمارے لئے ایک نام کا انتخاب حکومت کو کرنا تھا۔ کہا گیا تھا کہ جہاں تک ممکن ہو ہر حاجی کو اس کا "پسندیدہ" معلم دیا جائے گا۔ مگر ہمارے معلم مصطفےٰ اصغر ہمارے "پسندیدہ" نہ تھے اس لئے کہ ہم نے عمر اکبر، فاروق سیف الدین اور احمد عبداللہ رمضانی کے نام لکھے تھے بالکل اللہ ٹپ۔ ہم ان میں سے کسی کو نہیں جانتے تھے۔ سوال یہ نہیں ہے کہ ہمارے "پسندیدہ" معلموں میں سے کوئی ایک ہمیں کیوں نہیں ملا بلکہ یہ کہ ہمارے لئے تو دونوں ہی اقسام کے معلم برابر تھے تو ہماری "پسندیدگی" کے دخل کا اس میں کیا سوال تھا!

شہ یہ کون صاحب تھے جنہیں ہماری بے بسی پر رحم آ گیا۔ وہ نہیں تھے جو شق نمبر ۶ میں مذکور ہیں۔ نشانی نہ اُن کے پاس کوئی تھی نہ ان کے پاس۔ مجھے تردد ہیں

میں سے کوئی صاحب معلوم ہوتے تھے۔

۹ تاج کمپنی کی ایک حمائل حرزِ جاں کے طور پر برابر ساتھ رہی سوچا تھا کہ واپسی کے وقت اسے حرم شریف میں چھوڑ آئیں گے۔ وہاں پہنچ کر خیال ہوا کہ پرانی ہے اور اس سے اپنے کئی بچوں کی یادیں وابستہ ہیں جنہوں نے اسے استعمال کیا تھا۔ لہٰذا مکہ معظمہ میں ایک نیا نسخہ کلام پاک کا خرید کر ہم دونوں نے اپنی طرف سے اس پر بہت سی جذباتی اور پُر عقیدت عبارتیں حواشی میں درج کر کے حرم شریف کے دوسرے نسخوں میں شامل کر دیا۔ حرمین شریفین کے دالانوں اور برآمدوں میں چھوٹی چھوٹی الماریوں میں اور تپائیوں پر ہزارہا طرح طرح کے اور مختلف سائزوں کے نسخے موجود رہتے ہیں جنہیں عاشقانِ رسولؐ ہر وقت پڑھتے رہتے ہیں۔ کلام پاک کی تلاوت اور طواف، بس نماز باجماعت کے علاوہ یہی دو کام وہاں حجاج کے ہوتے ہیں۔ اسلامی دنیا اور عقیدتمند زائرین کی طرف سے کلام پاک کے نسخے مہیا ہوتے رہتے ہیں اور جب ان کی تعداد قابو سے باہر ہو جاتی ہے تو ملک کے مختلف علمی و مذہبی و تہذیبی اداروں میں تقسیم کر دیئے جاتے ہیں۔

۱۰ میں یہ سمجھنے سے آج تک قاصر ہوں کہ ہم لوگوں کو کس کی طرف سے اور کس گناہ کی پاداش میں ایک بس ڈرائیور کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا تھا اور یہ کیا اور کس کا انتظام تھا کہ عرب کا باشندہ ہو کر اور جدہ اور مکہ معظمہ کے درمیان بس چلانے کا تجربہ رکھتے ہوئے دکیوں کہ بسیں بلدیہ کی ہوتی ہیں اور وہی ڈرائیوروں کے تقرر کی ذمہ دار ہوتی ہیں۔ اس لئے ظاہر ہے کہ راستوں سے ناواقف لوگوں کو تو ڈرائیوری کا کام سپرد نہیں کر سکتی) وہ ہمیں ہمارے معلم کے گھر تک پہنچانے میں اس قدر اناڑی پن کا ثبوت دے رہا تھا۔ ظاہر ہے صحیح قسم کا آدمی نہیں تھا۔

۱۱ جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا۔ اس معلم سے ہمیں بسوں کے ذریعہ صرف منیٰ، عرفات، مزدلفہ اور مکہ معظمہ کے درمیان مسافت کی آسانی ملی اور وہ

کیسی کچھ کر ہمارا ہی جی جانتا ہے۔ اخلاقی طور پر اور انسانی ہمدردی کے لحاظ سے وہ ہمارے کچھ بھی کام نہ آیا بلکہ اس لحاظ سے بھی کو اس سے بے حد شکایت رہی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ سابقہ شکایات کی بنا پر اس کا نام فہرست سے خارج کر دیا گیا تھا مگر ہر دو مملکتوں کے درمیان بہت کچھ دوڑ دھوپ کے بعد اس نے اپنا نام دوبارہ درج کروا لیا تھا۔

۱۱ الف یہ کرایہ ہم سے کراچی میں پیشگی لے لیا گیا تھا!

۱۲ الف لمالبا شمالی ہندوستان کے کسی شہر کا تھا اور اچھی طرح اردو بول رہا تھا۔ مدینہ منورہ میں دلیل (وہاں معلم کو دلیل کہتے ہیں) کا منشی بمبئی کی طرف کا تھا اور اسی نواح کی اردو بولتا تھا۔ اس کا ذکر موقع پر آگے آئے گا۔ یہ لوگ حج سے کچھ پہلے عارضی ویزا پر کسی طرح وہاں پہنچ جاتے ہیں اور اس قسم کے کاموں کی عارضی ملازمتیں حاصل کر لیتے ہیں، جیسے کسی میلے میں جا کر لوگ بالگ کچھ کمائی کر لیتے ہیں۔ ان ملازمین کا بھی ویسا ہی حال سمجھئے۔ پاکستان میں کوئی نہ تھا۔

۱۳ الف یقین مانیے عجب "فرعون بے سامان" قسم کے بزرگ تھے۔ بیٹھے تو ہم لوگوں کے سامنے تھے مگر ظاہر ایسا کر رہے تھے جیسے انہیں اپنے اور اپنے احباب اور اہل موال کے سوا ہم حاجیوں کے جم غفیر کی موجودگی اور احاطہ میں گہما گہمی کی کچھ خبر نہیں۔ ان کے پاس میں گیا اور ہمارے دوسرے ساتھیوں میں سے کوئی گیا تو وہ بغیر ہم میں سے کسی کی طرف دیکھے اپنے منشی کی طرف اشارہ کر دیتے۔

۱۴ الف چہ خوب!

۱۵ الف میرے تو پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ کیونکہ میں سمجھے ہوئے تھا کہ مکان تلاش کرنے میں ہمیں معلم سے مدد ملے گی۔ خیر۔ ابھی تو ہمیں حرم شریف جانے کی بے قراری تھی مگر رات کو وہاں سے واپس آ کر منشی سے اتنی مدد ملی کہ معلم ہی کے مقبوضہ مکانوں میں سے چند ہماری خواتین کو دکھائے گئے۔ حج کا موسم

Marfat.com

آنے سے پہلے معلم صاحبان بہت سے مکانات نسبتاً سستے کرایہ پر یکمشت رقم مالکوں کو ادا کر کے اپنے قبضہ میں کر لیتے ہیں۔ اور حاجیوں کے ہاتھ زیادہ سے زیادہ کرایہ پر اُٹھاتے ہیں۔ جو مکان ہماری خواتین کو دکھائے گئے انتہائی تنگ، گندے اور تکلیف دِہ تھے اور اتنی بلندی پر کہ کم از کم میری بیوی اور دو ایک اور ہمراہیوں کی خواتین کے لئے جو کمر درد اور بلڈ پریشر کی مریض تھیں بالکل ناموزوں تھے۔

؂۱۶ میری پلیٹ میں تو اگر اسے بوٹی کہہ سکتے ہیں تو گردن کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا آیا تھا جسے میں نے علیحدہ رکھ دیا اور شوربے میں روٹی بھگولی۔

؂۱۷ مگر مجھے تو جوش عقیدت اور سرفروشی کے عالم میں نہ کچھ سجھائی دے رہا تھا نہ یہ سب کچھ یاد ہے، صرف یہ جانتا ہوں کہ بیوی کو خواتین کے ساتھ چھوڑ کر بیخودی میں آگے بڑھا تو بڑھتا ہی چلا گیا اور ہجوم کو جو ابھی صفوں میں کھڑا نہیں ہوا تھا چیرتا پھاڑتا لانگتا پھاندتا سیدھا خانۂ کعبہ کے گرداگرد بچھے ہوئے قالینوں میں سے ایک پر جا کھڑا ہو کر سجدے میں گر گیا اور زور زور سے چیخنے لگا۔ یہ احساس تھا کہ خانۂ کعبہ کے سامنے ہوں مگر شعر و شاعری کے احساس کا دور دور پتہ نہ تھا پھر بھی "کعبہ ہے سامنے کعبہ ہے سامنے" کے الفاظ ذہن میں گھوم رہے تھے۔ جب یہ معلوم ہوا کہ اذان ختم ہونے والی ہے تو اٹھ کر صفوں میں شامل ہوا اس سے پہلے یکدم یہ مطلع ذہن میں خود بخود گھوم گیا؎

دنیا نہ اب کوئی غم دنیا ہے سامنے — میں خانۂ خدا میں ہوں کعبہ ہے سامنے

پھر نماز پڑھی۔ اس غزل کے بقیہ اشعار بعد میں مختلف اوقات میں قلب پر وارد ہوتے رہے اور اس کی مکمل شکل یہ ہوئی؎

دنیا نہ اب کوئی غم دنیا ہے سامنے — میں خانۂ خدا میں ہوں کعبہ ہے سامنے
مجھ سے گدا کو دولت کونین مل گئی — حیراں ہیں جن کے دولت دنیا ہے سامنے

Marfat.com

کیوں کر نہ اس کے فیض کے قربان جائیے ۔۔ مدت سے تھی جو دل میں تمنا ہے سامنے

صحنِ حرم میں ششدر و مبہوت کیوں نہ ہوں ۔۔ رحمت کا سیل، نور کا دریا ہے سامنے

حسنِ ازل کے عکس سے روشن ہیں بام و در ۔۔ جس سمت دیکھئے وہی جلوہ ہے سامنے

پُر اہتزاز دل ہے تو شبنم فشاں ہے آنکھ ۔۔ ہمدم میں کیا بتاؤں کہ کیا کیا ہے سامنے

لاتے ہوئے حرا سے خدا کے پیام کو ۔۔ جیسے ابھی حضورؐ کو دیکھا ہے سامنے

سادہ سا ایک رمزِ حقیقت جگہ جگہ ۔۔ لکھا ہوا مجھے نظر آتا ہے سامنے

(ق)

دنیا و دیں میں کچھ بھی نہیں فرق، اگر جلیل
ہر دم ہو یہ خیال کہ عقبیٰ ہے سامنے

شلہ یہ تین بار کے حجرِ اسود کے بوسے، ایک بار میں کئی کئی جی بھر بھر کے بوسے لے ہمارے سارے سفرِ مبارک کا حاصل ہے۔ جوں جوں حاجیوں کا ہجوم آتا اور بڑھتا گیا اس کے بعد بوسے نہیں مل سکے۔ دورانِ طواف صرف دور سے حسبِ ہدایت اپنے دونوں ہاتھوں کو حجرِ اسود کی سمت لے جا کر انہیں کو چومنے پر اکتفا کرتے رہے۔ یہ دیکھ کر بے حد افسوس ہوتا تھا کہ حضورؐ کی ہدایات کے برخلاف ہجوم میں سبھی مرد بغیر اس کا خیال کئے ہوئے کہ خواتین سے اُن کا بُری طرح ٹکراؤ ہوتا ہے، حجرِ اسود کے بوسے لینے کے ذوق و شوق میں ایک دوسرے پر چلے پڑتے تھے۔ حضورؐ کی تعلیم کی عدمِ تعمیل، یہ حضورؐ کے ابتدائی مرکزِ تبلیغ اور خدا کے گھر میں خصوصاً اس زمانے میں جس میں فیضانِ الٰہی حاصل کرنے کا بہترین موقع تھا، خاص جس کے حصول کے لئے یہ سفر کیا گیا تھا، اہلِ اسلام کے ہاتھوں ہی خود ہو رہی تھی اور تراور اس بدعت کو روکنے کے لئے ملازمین اور دربانوں کو خواتین اور مرد دونوں قسم کے حاجیوں کو ڈنڈوں اور اپنے ہاتھوں کو بری طرح استعمال کر کے سرزنش کرنی پڑتی تھی، پھر بھی یہ عمل جوں کا توں جاری رہتا تھا۔ کاش عاشقانِ رسولؐ اور حضرات حجاج مسئلہ کے

Marfat.com

بدعتی پہلو پر غور کریں اور اپنے جذبِ شوق کو حضورؐ کی تعلیمات کا پابند بنائیں جب
دونوں ہاتھوں کو حجرِ اسود کی طرف لے جا کر انہیں چوم لینے کی آسانی میں وہی فوائد
موجود ہیں جو حجرِ اسود کو چومنے میں ہیں تو پھر کس بات کا غم؟

۱۹ ایئر کنڈیشننگ کا حال نہ پوچھئے - اگرچہ سفر کے اس مرحلے میں ہم چند دن کسی ایسے
گھر میں نہ رہ سکے مگر مکہ معظمہ میں عموماً اوسط درجہ کے ہر مکان میں ایئر کنڈیشننگ
کا انتظام ہوتا ہے - مکان نیا ہو یا پرانا بلکہ ہوٹل بھی بڑا ہو یا چھوٹا ایئر کنڈیشنر
وہاں ضرور ہوگا اگرچہ ایئر کنڈیشنروں کے لئے نئے یا پرانے اور بڑے یا چھوٹے
کی تخصیص نہیں - بہت سے مکانوں کے سامنے اور بعض گلیوں میں ہم نے پرانے
ایئر کنڈیشنر پڑے دیکھے - مکان والوں نے نئے لگوا کر پرانے پھینک دئیے تھے -
سعودی عرب میں دولت کے اُبلتے تلکے ہیں - یہ موقع نہیں ورنہ موٹروں اور
امریکہ اور کناڈا کی طرح بڑی بڑی موٹروں کی افراط پر بھی بہت کچھ لکھا جا
سکتا ہے - چھوٹی موٹروں کو کوئی پوچھتا بھی نہیں اور پیٹرول کی قیمت سُن کر تو
ہنسی آتی ہے !!

۲۰ ایک صاحب نے جو ہمارے ساتھیوں میں سے کسی کے شناسا تھے
رات کو وعدہ کیا تھا کہ صبح بعد نمازِ فجر آکر ہمیں مکانات دکھانے کو لے
جائیں گے - جی تو حرم شریف میں حاضر ہو کر نماز با جماعت ادا کرنے کو تڑپ
رہا تھا مگر ان صاحب کے انتظار میں اور معلّم صاحب کے منشی کی تاکید کی
وجہ سے کہ ان کی جگہ چھوڑ دی جائے نمازِ فجر وہیں ادا کی - وہ صاحب دن
چڑھے تک نہ آئے تو ہم بہت گھبرائے - اُدھر معلّم اور اُن کے منشی
کے خوف سے ہم چور بن رہے تھے - لہٰذا خود اُن کی تلاش میں نکلے - وہ اپنی
جائے قیام پر بھی نہ ملے - ہاں ایک دُوسرے صاحب مل گئے جو پاکستانی تھے

مگر عرصہ سے کسی نواحی ملک میں کوئی کاروبار کرتے تھے اور ہر سال حج پر آتے تھے۔ فرماتے تھے کہ اُن کا دسواں یا بارھواں حج ہے اور اُن کا چھوٹا بھائی قریب ہی مکانوں کو کرایہ پر چڑھانے کا کاروبار کرتا ہے۔ چنانچہ اس کے ذریعہ انہوں نے ہمیں ایک آرام دہ مکان ہماری ضروریات کے مطابق بالکفایت دِلانے کا وعدہ کیا۔ ہم نے طے کرلیا تھا بغیر اپنی جگہ کا انتظام کیئے معلم کے گھر واپس نہ جائیں گے لہٰذا ان کے چھوٹے بھائی صاحب سے بڑی ردوقدح کے بعد جو مکان (کمرہ) کرایہ پر ملا اس کا حال آگے آتا ہے۔

محلہ جیاد مکہ معظمہ کے اُن چند محلوں میں ہے جو قیام کے سلسلے میں خانۂ کعبہ کے قرب کی وجہ سے حاجیوں میں بہت مقبول رہا ہے۔ وہاں اوسط درجہ کے ہوٹل، بازار، ہسپتال اور ڈاکخانہ کی سہولتیں بھی ہیں۔ بے شک وہاں کے اکثر مکانات پرانے ہی نہیں پُرانی طرز کے بھی ہیں اور اُن کے بجائے زیادہ مضبوط اور جدید طرز کے مکانات کی تعمیر ایک پسندیدہ اقدام ہوگا۔ مگر اپنی قیام گاہ سے حرم شریف جاتے آتے ہر بار ہمیں یہ منظر دیکھ کر انتہائی دکھ اور افسوس ہوتا اور سڑک کو پار کرتے ہوئے بے حد ناگواری اور زحمت ہوتی کہ ہر طرف بڑے بڑے بل ڈوزر کانوں کے پردے پھاڑ دینے والے شور کے ساتھ مکانات اور ٹیلوں کی توڑ پھوڑ میں مصروف ہیں اور راستہ پر ملبے کے ڈھیر لگے ہیں نیز ساری فضا گرد و غبار سے بری طرح اٹی ہوئی ہے، جس سے ناک کان اور آنکھ کو محفوظ رکھنا مشکل ہے۔ بار بار یہ خیال آتا کہ اگر آرائش بلدہ کی کسی اسکیم کے تحت اس علاقہ کی تعمیر نو منظور تھی تو کیا حج کے زمانے سے پہلے یا حج کے

خاتمہ پر اس کی تکمیل نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ بھی سننے میں آیا کہ اس علاقے کے ایک پورے سلسلۂ عمارت میں بجلی اور پانی کی نایابی کی غیر معمولی تکالیف کے باوجود حاجی خوشی خوشی ٹھہر جاتے تھے کہ یہ سڑک پر جو پانی کے چھڑکاؤ کی وجہ سے ہر طرف کیچڑ سے لت پت ہوتی پڑے رہنے سے کہیں بہتر تھا اگر وہ پوری کی پوری بلڈنگ حج کا زمانہ آنے سے پہلے کوئی متبادل انتظام مہیا کئے بغیر گرادی گئی۔ ان اقدامات کے بارے میں عوام میں مختلف قسم کی قیاس آرائیاں بھی مشہور تھیں۔ فی الجملہ معقول منصوبہ بندی کی کمی کا احساس ہوا۔ یہ احساس بھی ہوا کہ تمام قیام گاہوں کا ایک بڑے پیمانہ پر جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ تاکہ ان کی جائے وقوع اور معیار، کمروں کی تعداد، اقامت کی گنجائش اور دیگر آسائیوں کی بہم رسانی کے اعتبار سے اُن کی درجہ بندی ہو اور اسی لحاظ سے کرائے مقرر ہوں نیز اس کام کے لئے کسی مرکزی نگرانی کا انتظام ہو۔ صدہا برس سے مسلسل حج کی ادائی اور اس کی دائمی فرضیت کے باوجود ان مسائل پر سنجیدہ غور و فکر کی طرف سے عام غفلت کی وجہ سمجھ میں نہ آ سکی۔

۲۲ نادر کاکوروی کی نظم گزرے زمانہ کی یاد (ٹامس مور کا ترجمہ) کے یہ مصرعے ذہن میں گھوم گئے ؎

ہو جیسے اک ویران گھر!
برباد جس کو چھوڑ کے
سب رہنے والے چل دیئے
ٹوٹے کواڑ اور کھڑکیاں ...
میرے سوا جس میں کوئی

جھانکے نہ بھولے سے کبھی
وہ خانۂ خالی ہے دل
پوچھے نہ جس کو دیو بھی
اُجڑا ہوا ویران گھر!

آپ نے پطرس کے دوست مرزا صاحب کی سائیکل کا حال پڑھا ہوگا۔
خدا ہی جانتا ہے کہ میرے اس بیان میں فرطِ عقیدت کو کس حد تک دخل ہے کہ فجر کی نماز باجماعت میں جو لطف حرم شریف میں آیا زندگی میں نہ پہلے کبھی آیا تھا نہ اب آتا ہے۔ لطف تو وہاں کی کس نماز میں نہیں آیا مگر فجر کی بات ہی کچھ اور تھی۔ سچ یہ ہے کہ

ع یہ وقت ہے شگفتنِ گل ہائے ناز کا (غالب)

سے الگ کوئی بات تھی۔ میں یہ نماز دنیا کی تمام مساجد کے غالباً وسیع و کشادہ ترین صحن میں ادا کرتا تھا۔ وہ صبحِ کاذب اور صبحِ صادق کے درمیانی عرصہ کا فرحت بخش سماں، فرش پر بچھے ہوئے قالینوں کی رات بھر کی ٹھنڈک سے تلووں کے ذریعے پہنچتی ہوئی جسم و جان کی طراوت، ہوا کا سرور، دودھیا رنگ کے قمقموں اور ٹیوبوں سے نکلنے والی روشنیوں کے (جنہوں نے رات بھر فضا کو دن سے زیادہ سکون بخش، ٹھنڈا اور تر و تازہ بنائے رکھا تھا) ماند پڑتے پڑتے بھی وہ ہر طرف عجیب طرح کا ایک سیلابِ نور، دل کا اہتزاز، آنکھوں میں نمی سی

جن کی آنکھوں میں نمی رہتی ہے
جانے کیا یاد کیا کرتے ہیں! (جلیل قدوائی)

ساتھ ہی ایک طمانیتِ قلب، کانوں میں امام صاحب کی دھیمی نے

Marfat.com

دریافت نہیں کیا مگر گمان غالب ہے کہ فجر کی نماز لازماً جناب شیخ عبداللہ ابن سبیل کی امامت میں ہوتی تھی۔ اگرچہ موصوف دوسری نمازیں بھی کبھی کبھی پڑھاتے تھے) بے مثال قرأت کا لحن داؤدی، کیا بتاؤں کس عالم میں پہنچا ہوتا تھا۔

حرم شریف میں قرأت کی ترسیل صوت کا بہترین انتظام تھا۔ ہر جگہ برابر کی آواز پہنچتی تھی اور مائیک کی خرابی کا مجھے ایک بار بھی تجربہ نہیں ہوا۔ اور امام خانہ کعبہ جیسے قرأت کے مشتاق اور بہترین ہنرمند کی پرسوز و ساز، ساتھ ہی پرشوکت و جلال آواز معہ اپنے زیر و بم کے ہر طرف ایک بے امان سکوت میں کبھی ایک چشمۂ شیریں و نرم رو کی طرح، کبھی ایک ہوائے تند و تیز کی مثال جیسے صحرائے عرب کے اونچے نیچے ٹیلوں، اور تنگ و کشادہ وادیوں سے گزرتی ٹکراتی ہوئی، دل کے اندر اترتی، گھر کرتی، جگر کو گرماتی، برماتی چلی جاتی تھی ؎

سخن میں سوز الٰہی کہاں سے آتا ہے
یہ چیز وہ ہے کہ پتھر کو بھی گداز کرے! (اقبالؔ)

ایک خاص بات قابل ذکر یہ ہے کہ سورۂ الحمد کے آخری لفظ "ضالّین" کی ادائیگی میں "ضالّ" اور "لین" کے دونوں ٹکڑوں کے درمیانی وقفہ کو ایسی مترنم آواز کے ساتھ ذرا سا طول دیتے ہوئے میں نے کسی اور قاری کو نہیں سنا۔ سبحان اللہ، جزاک اللہ۔ اسی لئے میں کہتا ہوں جس نے حرم شریف میں امام صاحب کعبۃ اللہ کی نمازِ فجر کی قرأت نہیں سنی اس نے اس دنیا سے کچھ نہیں پایا۔

حقی نے عربی کے بارے میں ایک جگہ کچھ اس طرح خیال ظاہر کیا ہے کہ

Marfat.com

بدوؤں کی خشک کھری، رتیلی، بلکہ پتھریلی سی زبان ہے مگر کلامِ پاک کی عربی کچھ اور ہی چیز ہے جس کے اصل جوہر لحن کے ساتھ بلند آواز میں پڑھنے پر کھلتے ہیں بلکہ معلوم ہوتا ہے وہ قرأت کے ساتھ پڑھنے ہی کے لئے اترا ہے ۔ میں اس میں اتنا اضافہ کروں گا کہ اگر کوئی جی سے سننے پر آمادہ ہو، اور زبان سے کسی قدر مزاولت ہو تو حسین و مترنم اور اپنی ساری خصوصیتوں لطافتوں سے معمور قرأت کے ساتھ اس کی عبارت کا کچھ نہ کچھ مفہوم بھی سمجھ میں آنے لگتا ہے اور جہاں ضرورت ہو دل پر ہیبت بھی طاری ہونے لگتی ہے ۔ نیز جس طرح ہر فن کے کمال کا بہترین اعتراف سامع یا ناظر کے قلب کے اہتزاز اور آنکھ میں آنسو کے ذریعہ ہی کیا جا سکتا ہے یہی حال عربی کے حسنِ قرأت کا ہے ۔ اگر میں اپنا مفہوم صحیح ادا کر سکا ہوں تو امام سبیل صاحب کی قرأت پر یہ تعریف پوری پوری صادق آتی ہے

افسوس ہے کہ مدینۂ منورہ میں ایسی روح پرور اور جاں نواز صوت سننے میں نہیں آئی ۔

اس صوتِ جاں نواز کا ثانی نہیں کہیں
کیا ڈھونڈھتے ہو بربط و چنگ و رباب میں (شیفتہ؟)

۲۵ اس سے پہلے اس کا ذکر آچکا ہے کہ چونکہ ہم دونوں کراچی سے جہاز کی پہلی اڑان سے گئے تھے اور مکہ معظمہ میں اس وقت تک زائرین کا ہجوم کم تھا ہمیں طواف کے دوران حجرِ اسود کو جی بھر کے بوسے لینے کی تین بار بڑی آسانی سے سعادت حاصل ہو گئی تھی ۔ لیکن وہاں کے سارے دورانِ قیام میں ایک چیز جس سے میری بیوی محروم رہیں (اور ہر خاتون محروم رہتی ہے اس لئے کہ عورتوں کو اجازت نہیں ہے)، اور جس کی سعادت مجھے بار ہا نصیب ہوئی وہ ملتزم ہے ۔ اسے دو:

ہاتھوں کو دراز کر کے انہیں اور اپنے سینہ کو پورے جذب و شوق کے ساتھ دیوارِ خانۂ کعبہ سے چپکا کر بہ ہزار الحاح و زاری اپنے، اپنے خاندان، اپنے مخصوص احباب (جن کی ہم ایک پوری فہرست ساتھ لے گئے تھے) اور دیگر مقربین نیز اپنے ملک اور جمیع مسلمانان کے لئے دین و دنیا میں بامراد و شادکام ہونے کے لئے دعائیں مانگنا تھی۔ اس موقع پر یہ خاص بات دیکھنے میں آئی کہ حجرِ اسود کا بوسہ لینے کی تمنا میں تو حاجیوں کی بھیڑ بھاڑ بڑھ جانے کے بعد بڑی افراتفری اور بے حد قابلِ اعتراض نفسا نفسی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے مگر ملتزم پر دعائیں مانگنے کے لئے سینکڑوں مشتاقوں کا ہجوم پوری خاموشی اور اطمینان سے انتظار کرتا رہتا ہے کہ کب ایک بے تاب اپنا دردِ دل سنا کر، رو دھو کر اپنا بھرا سس نکال کر ہٹے اور دوسرا اس کی جگہ لے۔ اس مقدس مقام پر جو خانۂ کعبہ کے سنہرے شاندار دروازے اور حجرِ اسود کے درمیان سیاہ پتھروں کی دیوار کا ایک حصہ ہے اور جہاں سے غلافِ کعبہ اٹھا دیا جاتا ہے، دعا مانگتے ہوئے اعماقِ قلب میں امنڈ امنڈ کر اتنا خشوع و خضوع پیدا ہو جاتا ہے اور آنکھوں سے ابل ابل کر آنسوؤں کا ایسا آبشار رواں ہونے لگتا ہے کہ بیان سے باہر ہے اور جیسا کہ حضور صلعم کا ارشاد ہے اسی نسبت سے یہاں دعاؤں کی قبولیت بھی خوب ہوتی ہے نیز انسان اپنے کو غالباً اس سے بھی زیادہ ہلکا اور بے وزن محسوس کرنے لگتا ہے جتنا کہ سنا ہوں ایک خلاباز زمین کی کششِ ثقل سے باہر نکل کر محسوس کرتا ہے۔

۲۶ سید افتخار رسول عرف عام میں افتخار سید صاحب کبھی کراچی میں پی آئی اے میں آڈیٹر تھے۔ ہمارے سفرِ حج کے زمانے میں وہ دالش پرینڈنٹ آڈٹ اینڈ سیکیورٹی سعودیہ جدہ کے کنسلٹنٹ تھے اور اب بھی ہیں۔ ہم حسین ڈی سلوا ٹاؤن، نارتھ ناظم آباد میں سالہا سال تک ساتھ رہے ہیں

اور دونوں خاندانوں میں آج تک دوستی ہے۔ انہوں نے وہاں بزمِ قرآن قائم کی (جس کا بیگم صدیق علی خاں مرحوم نے افتتاح کیا تھا) تو میاں بیوی نے بہ اصرار میری بیوی کو اس کا صدر بنوایا۔ سید صاحب نہایت خوش رُو، سرخ و سفید اور صحت مند جوان ہی نہیں خوش اخلاقی کا بھی ایک حسین پیکر ہیں۔

میں نے انہیں کبھی مسکرائے بغیر بات کرتے نہیں دیکھا۔ ضرورت مندوں کے کام آنے کا انہیں خاص ملکہ ہے۔ یہاں تک کہ اگرچہ جدّہ میں اُن کا فلیٹ پاکستان سے حج پر جانے والوں کے لئے بلا تکلف وقف تھا' ضرورت ہوتی تو وہ اپنے دوستوں کے ٹھہرانے کا اپنے آس پاس کہیں اور بھی انتظام کر سکتے تھے جب ہم اُن کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے تو "نوائے وقت" کے نظامی صاحب بھی آ گئے۔ انھوں نے ہمارا رات بھر کے لئے قریب کے ایک دوسرے خالی فلیٹ میں زیادہ آرام دہ انتظام کرا دیا اور صبح پھر بُلوا لیا۔

ضمناً اُن کے سیکرٹری ہمیں اپنی بڑی سی کار میں لینے صبح کو آئے (چھوٹی گاڑی تو سعودی عرب میں کوئی رکھتا ہی نہیں)، میں نے اُن سے وہاں پٹرول کا نرخ پوچھا۔ بولے معلوم نہیں میں تو تیرہ ریال میں پورا ٹینک بھروا لیتا ہوں

ظاہر ہے افتخار صاحب کے ہاں ہمیں انتہائی آرام ملا مگر جدّہ میں ایک نماز پڑھ کر حرم شریف کی ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ترک کرنا کس دل سے برداشت ہو سکتا تھا اس لئے ہم کل دو دفعہ ان کے ہاں گئے اور ایک بار میں دو دن سے زیادہ نہیں ٹھہرے منجملہ دیگر سہولتوں کے افتخار صاحب کے ہاں غسل خانہ میں بھی فون کی آسانی دیکھی۔

ص۲۷ "دل سنبھالے ہوئے تھے" پر مولانا حسرت موہانی کا شعر یاد آیا، ظاہر ہے کہ دوسرے موقع کا ہے ؎

وہ اب آئیں محفل میں، سب اہلِ محفل
خبردار ہیں، دِل سنبھالے ہوئے ہیں!

ص۲۸ یہاں بھی وہی تجربہ ہوا جو جدّہ ایئرپورٹ پر ہوا تھا۔ نہ معلّم (مدینۂ منورّہ میں دلیل) کی طرف سے کوئی آدمی موجود تھا نہ کوئی خادم الحجاج، حالانکہ پاکستان حج آفس مکّہ معظمہ نے ہمیں پورا یقین دلایا تھا کہ ہماری رہبری اور امداد کے لئے وہاں بس اڈے پر ان کی طرف سے لوگ موجود رہتے ہیں۔

ص۲۹ کسی نہ کسی طرح مسجدِ نبوی تک پہنچنے کے لئے ہم وسیع سڑک کی بائیں طرف کی پٹری پر چلتے کیا اپنے کو جیسے خود ہی گھسیٹتے رہے۔ دوسرے لوگ تو اِدھر اُدھر ہوگئے صرف ہم ہی درماندہ اور بے سہارا تھے۔ شاید ہم میں طاقت سے زیادہ حوصلے کی کمی تھی جو ہر جگہ مدد کے طالب ہوتے تھے۔ یہ خیال بار بار آرہا تھا کہ ہماری مدد کے لئے نشانِ راہ کی قسم کی کوئی چیز تو پاکستان والوں نے ضرور لگائی ہوگی یا کم از کم اپنے دفتر کا اتہ پتہ سمجھانے کی آسانی تو ضرور فراہم کی ہوگی کیونکہ یہ بھی بتایا گیا تھا کہ پاکستان کا کوئی دفتر مسجد نبوی کے نواح میں ہے۔ چنانچہ بڑی خوشی ہوئی جب سڑک کی دوسری یعنی داہنے ہاتھ کی پٹری پر لکڑی کا ایک بورڈ ہمارے قومی پرچم کے نقشے کے ساتھ نظر آیا اور بورڈ پر ایک تیر کا نشان بھی بنا ہوا تھا، اس طرح ← مگر ہم نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اپنے بائیں طرف دیکھا تو نہ اُدھر کوئی بلڈنگ تھی نہ سڑک یا راستہ بلکہ اس سمت کے سارے ہی بڑے سے قطعہ زمین پر سائبان پڑے ہوئے تھے اور پورے احاطہ کو تاروں سے گھیر دیا گیا تھا۔ اندر نمازیوں کے لئے دریاں

یا چٹائیاں بچھی ہوئی تھیں اور نمازی جمع ہو رہے تھے۔ یہ مسجدِ نبوی کی سے باہر جماعت قائم کرنے کی جگہ تھی۔ ہمیں بے حد مایوسی ہوئی۔ چلے جاتے تھے اور بار بار پیچھے اور ادھر اُدھر مڑ کر دیکھتے جاتے تھے کہ کہیں ہمیں بورڈ کے اشارے کو سمجھنے میں غلطی تو نہیں ہو گئی۔ یہ تو ہمیں بعد میں معلوم ہوا کہ ہمارا دفتر اُدھر تو بے شک تھا مگر نمازیوں کے لئے مخصوص اِس قطعۂ زمین کو پار کرنے کے بعد والی سڑک پر تھا۔ اور جس سڑک پر ہم تھے اُس پر دور تک آگے چل کر مسجدِ نبوی کے دو اطراف کو طے کرنے کے بعد تیسری سمت مڑنے پر کہیں وہ سڑک ملتی تھی۔ گویا صحیح اشارہ کچھ اس طرح کا ہونا چاہیئے تھا [illegible] خیر۔ بر سرِ اولادِ آدم ہر چہ آید بگزرد! شاید کہ دفتر ڈھونڈنے میں ہمیں اپنی زحمت بے سبب کے عوض اُس کی بارگاہ سے اجر نصیب ہو۔

۳۰ھ میں اُنہیں چھوڑ کر کہیں گیا تھا مگر ملیں کہیں اور بیٹھی ہوئی۔ میری بے حواسی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اُٹھا اُٹھا اِس لئے دی جاتی تھیں کہ مسجدِ نبویؐ سے ملحق اور چاروں طرف کا سارا پختہ قطعۂ زمین راستہ بھی تو تھا اور راستے کو کیسے روکا جا سکتا تھا۔

۳۱ھ دلیل یا معلّم کا پتہ لگانے کی تگ و دو میں ایک جگہ ایک بلڈنگ سے اُترتے ہوئے مجھے سیڑھیوں پر دو ایک خدام الحجاج یونیفارم میں نظر آئے۔ اب تک مکہ معظمہ یا حرم شریف میں کہیں نظر نہ آئے تھے۔ میں خوشی خوشی اُن کی طرف لپکا کہ اب میری مشکل آسان ہو جائے گی۔ مگر وہ آپس میں دست و گریبان ہونے لگے۔ میرے سوال پر بولے آپ کو اپنی پڑی ہے۔ ہم خود ابھی پہنچے ہیں اور طے کر رہے ہیں کہ اِس

عمارت میں ہم میں سے کسے ٹھہرنا ہے۔ مولوی محمد اسماعیل میرٹھی کی ابتدائی
درسی کتاب میں پڑھا تھا ؎

جب کہ دو موذیوں میں ہو کھٹ پٹ
اپنے بچنے کی فکر کر جھٹ پٹ

چنانچہ بے نیل و مرام وہاں سے چپکے سے چل دینے ہی میں عافیت سمجھی۔

ص۴۲ یہ ہمارے دلیل عبداللہ حیدری نہ تھے بلکہ اُن کے منشی جی تھے۔ دلیل صاحب معلوم ہوا انگلستان گئے ہوئے تھے اور واپس آنے والے تھے۔ اُن کی عدم موجودگی میں منشی جی اور اُن کے ایک کارندے ہماری دیکھ بھال کرتے رہے۔

ص۴۳ مدینۂ منورہ میں دس دن کے لئے حجاج کے ٹھہرنے کا انتظام سرکاری طور پر ہوا تھا جس کے لئے ڈیڑھ ڈیڑھ سو ریال کی رقم کراچی میں جمع کر لی گئی تھی۔ یہ صاحب ہمارے مدینۂ منورہ میں قیام کے انچارج تھے۔ ویسے حج پر روانگی سے بہت پہلے اپنے طور پر (یعنی مدینۂ منورہ میں قیام کے سرکاری اعلان سے بھی پہلے) "اصطفےٰ منزل" واقع بالمقابل مسجدِ نبوی میں قیام کی بات چیت بھی ہو چکی تھی مگر سرکاری جائے قیام پر سامان رکھنے کے بعد جب ہم متذکرۂ بالا منزل کے متعلقہ اصحاب سے ملنے گئے تو ان سے کراچی میں اُن کے حسنِ اخلاق کے بالکل برخلاف ملاقات ہی مشکل ہو گئی چنانچہ کئی بار کی نارسائی کے بعد نیز یہ دیکھ کر کہ وہاں ہجوم بے حد تھا، صفائی کا انتظام حسبِ منشا نہ معلوم ہوا اور غسلخانوں اور بے پردگی کی تکلیف کا احتمال بھی تھا ہم نے وہاں کا خیال جو پہلے بھی قریب قریب ترک تھا قطعی طور پر ترک کر دیا۔

Marfat.com

۲۳ یعنی معلم (دلیل) کے منشی جی کے پاس۔ یہ صاحب بھی جیسا کہ میری بیوی نے پہلے ہی لکھ دیا ہے بمبئی (ہندوستان) کے تھے اور اُن کے مددگار بھی بہار کے کسی جگہ کے رہنے والے تھے۔ اس ''اتفاق'' پر تعجب ہوا کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ در لزل جگہوں پر ہمارے کارندوں میں سے کوئی بھی پاکستانی نہ تھا۔ مگر ہم نے اس کا اظہار نہ کیا تھا۔ پھر بھی اِن کے دل کا چور تھا یا انہیں میری حیرت کا کسی طرح اندازہ ہو گیا کہ اُنہوں نے فوراً پاکستان اور اہلِ پاکستان کے ساتھ ہندوستانی مسلمانوں کی غیر معمولی محبت کا اطمینان دلانا شروع کر دیا بلکہ اس بے اطمینانی کا بھی اظہار کیا جو ہندوستان اور پاکستان کے درمیان جنگ کے دوران میں اُنہیں رہ چکی تھی۔ یہ بات مجھے کچھ پسند نہ آئی اور میں نے ان کا شبہ اپنی طرف سے دور کرانا چاہا مگر انہوں نے مزید زیادتی یہ کی کہ مجھ سے کہا آپ سیاسی آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ طبیعت بے حد مکدر ہوئی مگر خاموش رہا۔ اپیل مجھے مار ڈالا سا معاملہ تھا۔ مجھی سے شاید کوئی غلطی ہوئی ہو جو مجھے یاد نہیں آتی۔

۲۵ یہ ماں بیٹے بھی خوب تھے۔ ضعیفہ دیکھنے میں بالکل بے جان تھیں۔ ہڈی چمڑا۔ جھک کر اور لیٹے مارے کر چلتی تھیں مگر تعجب ہے کہ خوب جلدی جلدی۔ اُن کے بیٹے اور اُن میں لڑائی ہوتی تھی، اس بات پر کہ وہ نان کھانے کی ضد کرتی تھیں جو انہیں ہضم نہ ہوتی تھی اور دست آجاتے تھے۔ پیٹ کے درد کی بھی شکایت کرتی رہتی تھیں مگر طبیعت پر قابو نہ تھا۔ بیٹا ان کے لئے ہلکے کھانے اور تازہ مفید پھل لاتا۔ پیار سے کھلانا چاہتا۔ اُن کے لئے دوائیں لاتا۔ روزمرہ کے استعمال کی اچھی سے اچھی دوسری چیزیں فراہم کرتا۔ کبھی انہیں اپنے کندھوں پر لاد کر باہر لے جاتا۔

ان کی کمر اور ٹانگیں دباتا مگر وہ اس سے خفا ہی رہتیں اور لڑتیں بلکہ بددعائیں دیتیں۔ کچھ ان کا لہجہ بھی کرخت تھا۔ ہر قسم کی خدمت گذاری کے بعد بیٹا بھی آخر انسان تھا۔ کبھی کبھی ماں پر بُری طرح بگڑتا اور ان پر انہیں کی لٹھیا اٹھاتا یا انہیں باہر جانے سے روکنے کے لیے زبردستی روکتا اور دیوار سے ٹکرا دیتا۔ پھر معافیاں مانگتا اور روتا۔ ہم سے یہ تماشا نہ دیکھا جاتا اور جہاں تک ہوتا ہم بیچ بچاؤ کراتے اور دونوں کو سمجھاتے، اللہ رسولؐ کا واسطہ دلاتے، حضورؐ کے قرب کا احساس دلاتے، بیٹے کو قرآن کا حکم یاد دلاتے، اگرچہ ہم جانتے تھے کہ زیادتی سراسر بیٹے کی نہیں تھی۔ میری بیوی نے ماں کو اپنی باتوں کے بارے میں بد پرہیزوں اور ہلکے پھلکے اور صاف ستھرے کھانوں کے فوائد، تذکرہ اور سے تیز بعض دواؤں کے استعمال کا عادی بنا کر آخر آخر بہت کچھ رام کر لیا تھا۔ پھر تو ہم میں خوب دوستی ہو گئی اور ماں میری بیوی کے کہنے پر چلنے لگیں۔ وہ لوگ مدینہ منورہ سے ہم سے کچھ دن پہلے روانہ ہو گئے تھے۔ مگر بعد میں ہمیں مکہ معظمہ میں پھر ملے۔ خوش تھے اور ٹھیک معلوم ہوتے تھے۔

۵۳ اس مکان میں بحیثیت مجموعی اور اس کمرے میں خصوصاً ہمیں مکہ معظمہ والے کمرے سے کہیں زیادہ آرام ملا۔ اپنے کمرے سے متصل بیت الخلا ہونے کے علاوہ ایک بیت الخلا مکان کے دروازے پر بیوی کے متذکرہ غسل خانے کے بالمقابل بھی تھا۔ یہ اور بات ہے کہ کمرے میں کچھ رطوبت اور نمی اور دیواروں کے نچلے حصوں میں لونی لگی تھی۔ ایک سانپ ایک بڑا سا بچھو میری ہری کے گدے کے نیچے سے نکلا جسے ہم نے پھرتی سے مار ڈالا۔ پڑوسیوں سے معلوم ہوا کہ ان

Marfat.com

کے کمروں میں بھی بچھو نکلے۔ مگر جب ہم نے اپنے دیس کے منشی جی سے شکایت کی کہ ہمیں کیسی گندی جگہ رہنے کو دی تو بولے "یہ مکانات تو آپ ہی کے نمائندوں کے منتخب کئے ہوئے ہیں!" بچھو کے سلسلے میں ایک عجیب و غریب؛ نئے انداز سے یوں تسلی دی کہ "یہ مدینۂ منورہ ہے اور حضورؐ کا پسندیدہ شہر۔ یہاں کے بچھو کاٹتے نہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ آپ لوگ حضور صلعم کے مہمان ہیں" کل میرے سینے پر سے ایک بچھو ٹہلتا ہوا نکل گیا۔ نہ میں نے اس سے کوئی تعرض کیا نہ اس نے مجھے ایذا پہنچائی"!

ص۲۷ حکومت سعودی عرب کے سخت احکام ہیں کہ وہاں زائرین کو دیر تک نہ ٹھہرنے دیا جائے اور کسی قسم کی بدعت پائے، کا خطرہ نہ مول لیا جائے۔ سب چلتی ہوئی حالت میں رہیں۔ اگرچہ روضۂ حضورؐ اور اس کے نواح میں چاروں طرف موٹی موٹی رسیوں کی روک لگی رہتی ہے اکثر زائرین جالیوں کو چھونے، چومنے چاٹنے اور اُن سے اپنی آنکھیں مَلنے کے لئے مضطرب اور کوشاں رہتے ہیں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے ہزاروں کے مجمع میں ایک شخص کو حضورؐ کے روضہ کی دیوار سے لگا سجدہ میں پڑا دیکھا جسے وہاں سے بڑی مشکل سے ہٹایا گیا۔ چنانچہ روک تھام کے لئے مقررہ سپاہیوں کو سختی کی اجازت ہے کیوں کہ نرمی سے بالکل کام نہیں چلتا۔ اور عورتوں کو اس نواح میں خاص خاص اوقات کے سوا اُدھر سے نکلنا بھی منع ہے اس لئے کہ مردوں سے ٹکراؤ ہوتا ہے۔

ص۲۸ یہ حضورؐ کے روضہ کے ایک طرف ایک چبوترہ ہے جہاں اس زمانے میں وہ صحابۂ کرام تشریف رکھتے تھے جنہوں نے اپنے کو تعلیم دین کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ حضورؐ ان میں بیٹھ کر قرآن و حدیث کے علاوہ

Marfat.com

اُنہیں دیگر علوم و فنون سے آراستہ کرتے تھے۔ اک گناہ گار نے یہاں بیٹھ کر تلاوت کلام پاک کی۔ اس کے علاوہ حضورؐ کے روضۂ اقدس کے نواح میں قدیم اور اصل مسجد نبویؐ کے اتنے متبرک، تاریخی، نورافشاں اور روح پرور مقامات ہیں مثلاً ریاض الجنۃ (وہ سات ستون جن کے درمیان کی جگہ جنت کا ٹکڑا کہلاتی ہے) ستون حنانہ (حضورؐ اس ستون کے پاس کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ یہیں وہ کھجور کا درخت دفن ہے جو لکڑی کا ممبر بن جانے کے بعد آپ کے فراق میں رویا تھا) ستون تہجد، ستون سریر، ستون وفود، ستون حرس وغیرہ کہ وہاں سے انسان کا ہٹنے کو جی نہیں چاہتا اور صبح سے آئے ہوئے زائرین رات گئے تک وہیں نماز، تلاوت اور اوراد وظائف میں وقت گزارتے ہیں، کھانا پینا تک بھول جاتے یا ترک کر دیتے ہیں۔ "اگرچہ یہ ایک طرح کی خودغرضی ہے جس سے پرہیز کرنا چاہیے" اس لئے کہ دوسروں کو وہاں بیٹھنے اور زیارت کا موقع نہیں دیا جاتا۔ چپہ چپہ پر دِل بیتاب ہو جاتا ہے اور آنکھیں اشکبار بلکہ دم توڑنے کو جی چاہتا ہے کہ ارے ہم وہاں ہیں جہاں کبھی حضورؐ کی ذاتِ مقدس چلتی پھرتی تھی، کہیں آپ امامت فرماتے تھے، کہیں اعتکاف میں بیٹھتے تھے۔ حضورؐ کے قدوم پاک کے نیچے کون کون سے گوشے نہیں آئے ہوں گے۔ اور انسان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے یہ نصیب کیسے اور کہاں سے ملا کہ وہ یہاں پہنچا۔

ع یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے ! (ذوق)

بس خدا ہی ضبط و قرار کی ہمت، استقامت اور یارا بخشتا ہے ورنہ وہ سوچ سوچ کر پاگل ہو جائے۔ کتنے خوش نصیب ہیں وہ مسلمان جنہیں ان مقامات کی زیارت کی دولت سرمدی حاصل ہوتی ہے۔ کسی نے کہا تھا ؎

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

۳۹ دورانِ قیام مدینہ منورہ مسجد نبویؐ میں صرف مجھے چالیس بلکہ بیالیس نمازیں ادا کرنے، بیس پارے تلاوت کرنے اور سینکڑوں دعاؤں اور ہزاروں درود و سلام کے پڑھنے کا موقع میسر آیا بلکہ یقین ہے کہ یہ حضورؐ کے براہِ راست فیضان کا نتیجہ تھا کہ میرے ناتوان دِل پر حسبِ ذیل اشعار کا بھی نزول ہوا ؎

بستی یہ دل پسند شہِ دوسرا کی ہے — آرام گاہِ خاص رسولِ خدا کی ہے
احساسِ قربِ سیدِ والا تبار سے — حالت میں کیا کہوں جو دلِ مبتلا کی ہے
ادنیٰ کرشمہ ہے یہ نبیِ رسولؐ کا — بٹتی یہاں ہر ایک کو رحمت خدا کی ہے
جو مانگتا ہے اس کو وہی ملتی ہے داد — ہاں شرط بس وسیلۂ خیر الوریٰ کی ہے
ہو جائے مجھ پہ اک نظرِ کیمیا اثر — شاہا مریض ہوں مجھے حاجت دوا کی ہے
آنکھیں ہیں اور نظر نہیں آتا بُرا بھلا — اِن کو تلاش آپ کی بس خاکِ پا کی ہے
اُن کا نبوں میں تو پار لگائیں گے وہ ضرور — کشتی مری نہیں ہے سرِ نا خدا کی ہے
یہ اتصالِ عاشق و معشوق دیکھیے — ذکرِ رسولؐ بھی تو عبادت خدا کی ہے
کیوں میں نہ اُن کو مظہرِ نورِ خدا کہوں — عادت سدا مری سخن برملا کی ہے

جو کہہ دیا خدا سے وہ منوا لیا جلیل
یہ شان خاص شافع روزِ جزا کی ہے

میں اس وقت یہ اشعار لکھ رہا ہوں اور جھوم رہا ہوں اور رہ رہ کر جی چاہتا ہے کتنا اچھا ہو کہ انہیں اور اُن کو بھی جو مکہ معظمہ میں میرے بیتاب جی سے نکلے تھے مجھے کوئی اچھا قوال سناتا اور میری روح کو اس قفسِ عنصری سے باہر لے آکر، مدینہ بہت دور پھینک دیتا۔ اتنی دور کہ میری موجودہ "خاکدانِ اضطراب" نے جست لگا کر منہ بس سرکار کے قدموں میں جا گرتی، تڑپتی ہوئی، لوٹتی ہوئی، نثار و قطرہ روتی ہوئی!!

۳۹ ذو بہ معنی دو۔ آپ کا گھر دو انوار سے منور ہوا۔ یعنی پہلے آپ کی شادی حضور صلعم کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ سے، اُن کی وفات کے بعد حضرت ام کلثومؓ سے ہوئی۔

۴۰ پارہ سیقول ۲، رکوع ۱ میں اس کا ذکر موجود ہے۔ اس تحویل قبلہ کی وحی کے انتظار میں آپؐ بار بار آسمان کی طرف دیکھتے تھے۔ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہمیں معلوم ہے تم اس طرح کیوں دیکھتے ہو اور کیا چاہتے ہو۔ چنانچہ اس مسجد میں عین حالت نماز میں حکم ملا کہ آپ اور تمام نمازی اپنی سمت بدل کر کعبۃ اللہ کی طرف کرلیں۔ اور اس کی فوراً تعمیل کی گئی۔ حضورؐ کی اس تمنا کی قبولیت کے شرف کے بارے میں علامہ اقبالؒ نے اپنے بے پناہ انداز میں کیا خوب فرمایا ہے ؎

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

حضورؐ کی تمنا کعبۃ اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کی اس لئے بھی تھی کہ بیت المقدس کو یہودی اور عیسائی بھی اپنا قبلہ سمجھتے تھے۔ یہودیوں کی قوم کے پاس ان کی بداعمالیوں کے سبب پیغمبری کا سلسلہ ختم ہو جانے کے بعد حضورؐ قدرتاً مسلمانوں کا قبلہ بالکل الگ چاہتے تھے جو حضرات ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کے تعمیر "خدا کے پہلے گھر" سے بہتر اور اہم تر کون ہو سکتا تھا۔ یہ بہترین اشارہ اس حقیقت کی طرف بھی تھا کہ یہودیوں کی یا کسی قسم کی بھی بداعمالیوں سے مسلمانوں کو دُور دُور کا واسطہ نہیں ہے۔

۴۱ اس تاریخی مقام پر جنگ خندق کے وقت پانچوں مذکورہ حضرات کے خیمے نصب ہوئے تھے جن کی یادگار کے طور پر یہ مساجد خمسہ تعمیر کی گئی ہیں۔ یہ مساجد فتح بھی کہلاتی ہیں۔ میں نے اپنے بیٹے میجر خالد قدوائی سے جو عرصہ سے تبوک میں مقیم ہے ان کاتب صاحب کا نام معلوم کیا تو اس نے لکھا کہ تینوں

Marfat.com

پر "مظفر شاہ، مرید کے، پاکستان" لکھا ہوا ہے۔ مرید کے لاہور کے پاس ایک نگر ہے۔

۳۔ ان کے علاوہ ہمارے ساتھ محمد یٰسین صاحب (کراچی) اور محمد علی صاحب (نواب شاہ) بھی معہ اپنی بیگمات کے تھے۔ ذاتی طور پر میں ان سب مہربان اور نہایت محبت کرنے والے بھائیوں اور بہنوں کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہوں۔ خصوصاً باباجی کا تو کسی طرح حق نہیں ادا کر سکتا جنہوں نے جب بھی مجھے اپنا سامان اٹھانے کے ناقابل دیکھا خود سے آگے بڑھ کر میرا بوجھ بانٹ لیا۔ یٰسین صاحب کے صاحبزادے نعیم سلمہٗ نے بھی جو جدہ میں ملازم ہونے کے سبب اپنے والد محترم کی دیکھ بھال کے لئے آتے رہتے تھے مجھے خوشی خوشی کئی بار ایسی ہی آسانیاں فراہم کیں جن کا ذکر میری بیوی نے اپنے اپنے موقع پر کتاب میں کیا ہے۔ باباجی کا ایک خاص احسان مجھ پر یہ بھی ہے کہ میری بیماری میں جس کا ذکر کتاب میں آگے آئے گا اپنی عمر اور کمزوری بلکہ لاغری اور میرے بار بار منع کرنے کے باوجود میرا بدن اور پیر دباتے رہے۔ مجھے اسپتال لے جانے یا میرے لئے دوائیں لانے میں محمد علی صاحب نے بھی بڑی مدد کی۔ موصوف پریمیئر کاٹن فیکٹری کے مینیجر ہیں اور اپنے ہاں کی بہترین روئی بھی آپ نے بعد فراغت حج ہمیں تحفتاً عطا کی۔ حاجی یٰسین صاحب سے تو مقامی طور پر رشتۂ اخوت قائم ہو گیا ہے اور آمد ورفت اور ملاقات رہتی ہے۔ میری بیوی نے وہاں کھانے پکانے کا کھڑاگ نہیں کھڑا کیا تھا تو متذکرہ خواتین میں سے بعض نے میرے لئے وقتاً فوقتاً پرہیزی یا خاص کھانے بھی تیار کئے۔ ان احسانوں کا بھلا کوئی بھی بدلہ اُتار سکتا ہے!

۴۔ یہ قصہ ان سطور میں اوپر لکھ چکا ہوں کہ کس طرح خانۂ کعبہ کے سامنے پہلے

Marfat.com

دن پہنچ کر بے اختیاری میں سجدہ میں گر پڑا تھا اور فوراً ایک شعر ہوگیا تھا جس کے بعد نظم مکمل ہوئی۔ یہ ایک شعر غارِ حرا کے سلسلے میں اس جگہ وارد ہوا تھا۔ "عصمت" میں جب سے ہم سفر (میری بیوی) کا یہ مضمون جو اب کتابی شکل میں چھپ رہا ہے۔ گیارہ قسطوں میں مکمل ہوا، بہن آمنہ نازلی کے اصرار پر دوبار یہ نظم شائع ہوئی۔ ایک بار غلط دوبارہ صحیح طور پر۔ اور اس سے پہلے نامکمل اور اپنی ابتدائی شکل میں "فاران" اور "حریت" میں بھی شائع ہوئی تھی۔ آخر میں حکومت سندھ کے رسالہ "اظہار" نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ بارہا طبع ہوچکی ہے اپنے ہاں شائع کرنے کے لئے حاصل کی۔

^۵ اپنا بھی ایک آدھ تجربہ بیان کر دوں۔ مسجد نبوی کے صدر دروازے کے سامنے والی سڑک کو پار کر کے داہنے ہاتھ پر جو دکانیں ہیں وہاں ایک چھوٹا سا ڈاکخانہ بھی ہے۔ مکہ معظمہ میں محلہ جیاد کے ڈاک خانے میں ٹکٹوں کی خریداری میں تو دقت ہوتی ہی تھی یعنی ریالوں کا خردہ نہیں ملتا تھا۔ یا پورے ریال کی شکل میں رقم دی تو بقیہ پیسے واپس نہیں ملتے تھے۔ اور خلاص خلاص کا جواب ملتا تھا، مدینہ منورہ میں بڑے ریال کے خردے میں ڈاک خانہ والے نے چھوٹے بوسیدہ بلکہ پھٹے ہوئے ریال واپس کئے۔ ایسے ہی ایک ریال پر اس سے پہلے ایک ہوٹل میں جھگڑا ہوچکا تھا کیونکہ اس نے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا مگر خیر کئی لوگوں کے بیچ میں پڑنے پر لے لیا تھا، مگر یہاں ڈاک خانے والے نے ہزار رد و قدح کے باوجود پھٹے ہوئے ریال واپس نہیں لئے اور آخر تک بڑبڑاتا اور ہمیں برا بھلا ہی کہتا رہا۔

^۶ اگرچہ ان دنوں مدینہ منورہ میں غیر معمولی طور پر لو چل رہی تھی مگر میرے خیال میں ایک وجہ زیادہ گرمی کی غالباً یہ بھی تھی کہ مسجدِ نبوی کے صدر دروازے کی سمت کا

راستہ اور فرش سارے کا سارا سنگِ مرمر کا ہے اور اندر بھی عمارت کے الگ الگ کھلے ہوئے قطعات میں سنگِ مرمر کا فرش ہے جو تمازت آفتاب اور شدید گرمی کے سبب بری طرح تپتا ہے۔ اس کے برخلاف مکۂ معظمہ میں حرم شریف کے چاروں طرف نہ صرف سنگِ مرمر کا فرش نہیں ہے بلکہ خانہ کعبہ کے چاروں طرف کے وسیع و عریض صحن میں جو سنگِ مرمر بچھا ہے اس کے نیچے ایسا کیمیاوی عمل کیا گیا ہے کہ دوپہر کے وقت اور چلچلاتی ہوئی دھوپ میں بھی فرش ٹھنڈا رہتا ہے اور اس پر بہ شرطِ ضرورت بڑے آرام سے نماز پڑھی جاتی ہے۔

۱۲ پوری عمارت کے برآمدوں دالانوں اور صحن میں جگہ جگہ اس قدر کثرت سے بڑے بڑے جو کولر لانے یا اونچے رنگین لوٹوں میں آبِ زم زم فراہم رہتا ہے اور وقفہ وقفہ سے برف کی سلوں کے بڑے بڑے ٹکڑے توڑ توڑ کر ان میں ڈالتے رہتے ہیں کہ ہر وقت ٹھنڈا یخ پانی وقتی کے گلاسوں میں جو موجود رہتے ہیں بھر بھر کر پیتے رہو۔ بے شک ایک خراب نتیجہ پانی کی اس آسانی کا یہ ہوتا ہے کہ پیاس کے چھٹنے میں بار بار اور جلد جلد اتنا ٹھنڈا پانی کس کس کر پینے سے لوگوں کے گلے پڑ جاتے ہیں اور شدید کھانسی آنے لگتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زیادہ تر حاجی حج کے دوران اور بعد میں کھانستے رہتے ہیں۔ میری کھانسی بعد فراغت حج وطن واپس آنے کے کوئی دو ماہ تک مجھے ستاتی رہی اس شان سے کہ سارے محلے کو اس کی خبر تھی۔ میرے دوست حج کی تو مجھے مبارکباد دیتے مگر کھانسی کی مصیبت پر مجھ سے ہمدردی کرتے۔ میں اسے اپنے سفرِ حج کا حاصل بتاتا!

۱۳ مکۂ معظمہ میں مالک مکان نے ہمیں پانی کی سخت تکلیف دے رکھی تھی۔ پہلے دن بڑا سا لوٹا (بدھنا) بھر کر غسل خانے میں رکھوا دیا تھا۔ مگر زمین پر

Marfat.com

ایک تختہ بچھا کر کہ نہ میں پانی رہ جائے تو ٹونٹی ہونے کے باوجود پانی ملے نہ اندر ہاتھ ڈالنے پر پانی تک برتن پہنچے۔ پانی ختم ہوگیا تو ٹالے بالے کرتا ملبدیہ سے پانی نہیں آیا، ٹرک کے پیسے زیادہ ہوں گے ہم نے اپنے حکام تک پہنچ کر دیکھ لیا۔ حشر کے میدان کا سا سماں ہوتا تھا۔ رسائی ہوئی تو وہی حکم کر لکھ کر لاؤ۔ گورنر کے پاس میری رسائی نہیں صبر کریں وغیرہ۔ چنانچہ شکایت کرنی چھوڑ دی تھی۔ آگے اس سے بڑا ایک واقعہ مکان کے بارے میں آئے گا۔

بعض دفعہ رفع حاجت کے لئے بھی حرم شریف کے باہر غسل خانوں میں جاتے جو وہاں اردو میں "کاکس" کہے جاتے ہیں۔ بھیڑ بھاڑ کا کیا بیان ہو۔

۴۹ تصریح نمبر ۳۱ میں اپنے ان ساتھیوں کا خاصی تفصیل سے ذکر کر چکا ہوں۔

شد کھانسی کا ذکر بھی تصریح نمبر ۱ میں آچکا ہے۔ یہ مرض در اصل پہلے ہی ہوگیا تھا۔ اب اور زور پکڑ گیا اور مذکورہ تصریح کے مطابق سفر حج سے واپس آنے کے بعد بھی عرصہ تک رہا۔ بخار بے شک نئی تکلیف تھی اور اس نے ایام حج کے آغاز سے کچھ دن قبل تک مجھے کبھی کم کبھی زیادہ پریشان رکھا۔ ایام حج کے آتے ہی خدا نے مجھ پر فضل کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے بخار ایسا بھاگا جیسے آیا ہی نہ تھا۔

ان تکالیف میں میری بیوی جو خود بلڈ پریشر اور چھینکوں کی مریض تھیں اور کبھی کبھی حبس دم میں بھی مبتلا ہو جاتی تھیں نیز ابھی مدینہ منورہ سے زحمتیں اٹھا کر واپس آئی تھیں رفاقت کا حق ادا کر دیا۔ وہ ہی سمجھ سے مجھے موافق آنے والی دوائیں، تیمارداری اور میری دانتوں کی تبیسی کے بغیر (جس کا حال آگے آئے گا) کھاتے جانے والے کھانوں (زیادہ تر رقیق، نرم یا ابلے ہوئے اور پرہیزی) کا انتظام کرنے کے علاوہ میرے ساتھیوں کو، مجھے اسپتال لے جانے، ڈاکٹروں

Marfat.com

کو دکھانے اور دوائیں لانے پر آمادہ کرتیں اور ان سب کے باوجود ضروری ارکان دین اور روزمرّہ کے معمولات جاری رکھتیں نیز مجھے بھی میرے حدِ امکان تک ان امور میں اپنے ساتھ شریک رہنے کا حوصلہ دیتیں۔

بعد میں جیسا کہ اُن کے بیان میں آگے آتا ہے۔ انھوں نے حج کی صعوبتیں برداشت کیں۔ وہ دُبلی پتلی کمزور اور مختصر سی تھیں اور ہیں (اگرچہ ان کا ظاہر نظر فریب ہے) اور سات بچوں کی ماں، بلاشبہ وہ اپنی ہمت سے زیادہ کھیل گئیں۔ انھوں نے اپنا یہ حال زیادہ نہیں بیان کیا ہے مگر یہ واقعہ ہے کہ ان کی قوت برداشت جواب دے گئی۔ چنانچہ وطن واپس آکر قلب کی مستقل مریضہ بن گئیں۔ حتیٰ کہ اُنہیں امراضِ قلب کے اسپتال میں داخل کرنا پڑا۔ اب وہ دواؤں پر ہیں اور ہم سب متعلقین ہر وقت اُن کی صحت کی بحالی کے لئے تہ دل سے دعا کرتے رہتے ہیں۔ آمین۔

میرے بخار کا قصہ اصل میں میرے مسوڑھے کی تکلیف سے شروع ہوا۔ میری بتیسی پرانی ہے اور کراچی سے سعودی عرب کو روانہ ہونے سے کچھ پہلے میں نے اس کے نچلے حصہ میں ایک جوڑ لگوایا تھا۔ دندان ساز نے جوڑ گھس گھسا کر ٹھیک کر دیا تھا مگر اس نے حرمین شریفین میں میرے مسوڑھے میں زخم ڈال دیئے۔ مدینہ منورہ میں پاکستانی عارضی ہسپتال کے ایک نوجوان ڈاکٹر نے علاج کیا مگر فائدہ نہ ہوا۔ سچ پوچھئے تو وہاں کے قیام کے عرصہ میں وقت کی کمی کے باعث میں دوبارہ ڈاکٹر صاحب کے پاس جا ہی نہ سکا مگر اس کا ذکر نہ کرنا ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ناانصافی ہوگی کہ میرا نام سنتے ہی خود باہر آکر مجھے اپنے ساتھ اندر لے گئے ورنہ بھیڑ کی وجہ سے میرا اُن تک آسانی سے پہنچنا ممکن نہ تھا۔ اُن کا نام کنور رمیز تھا اور جب میں نے پوچھا کہ میہ سے علی گڑھ

کے شاگرد ڈاکٹر یونس علی خان صاحب ریٹائرڈ اسسٹنٹ انسپکٹر جنرل پولیس کراچی کے داماد تو نہیں ہیں تو جواب اثبات میں دیا۔ پھر میری بزرگی جتا کر مجھ پر پہلے توجہ کرنے کی موجودہ مریضوں سے معافی مانگی۔ شرافت اُن کی قابلیت کا جزو اہم تھی۔ افسوس آج کل شرافت کو عام طور پر ڈاکٹر کی قابلیت کا جزو نہیں سمجھا جاتا!

مکہ معظمہ واپس پہنچ کر میں نے پاکستانی عارضی اسپتال کا رُخ کیا جو میرے جائے قیام سے دو قدم پر تھا مگر معلوم ہوا کہ دانتوں کے علاج کا شعبہ پاکستان ہاؤس میں واقع اسپتال میں ہے یہ جگہ نسبتاً دور تھی اور وہاں پیچ در پیچ راستوں کے ذریعہ ہی پہنچا جا سکتا تھا۔ مدینہ منورہ کی طرح یہاں بھی مناسب نشانِ راہ کی کمی محسوس ہوئی۔ یعنی پہلے پاکستان ہاؤس کے نشانِ راہ تک پہنچنے کے لئے کسی نشانِ راہ کی تلاش کرنے کی ضرورت تھی! اس معاملہ میں پاکستان حج آفس یا وہاں کے مقیم خدام الحجاج میں سے کسی نے میری مدد نہ کی۔ گرمی ہی شدید نہ تھی نہایت تیز لُو بھی چل رہی تھی اور مقام مقصود کی تلاش میں سوال در سوال پھرنے کی وجہ سے میں اس کا شکار ہو گیا۔

ناانصافی ہوگی اگر یہاں بھی اس کا اقرار نہ کیا جائے کہ متعلقہ ڈاکٹر صاحب نے (جو ریٹائرڈ کرنل تھے) حسنِ اخلاق کی حد کر دی۔ میرے منہ کا معائنہ کرنے کے بعد دوا تو کوئی نہ دی اور کہا کہ بس ذرا تکلیف اٹھائیں اور دو تین دن تک بتیسی کے بغیر رہوں، مسوڑھے کو آرام دوں اور رقیق غذا کا استعمال کروں۔ صرف بتیسی ذرا اور گھس دی۔ مگر مجھے لفٹ تک چھوڑنے آئے بلکہ بڑی رازداری کے ساتھ اپنے ذاتی حالات اور خانگی مشکلات بیان کرنے کے بعد مجھ گناہ گار سے اپنے بچوں اور اپنے والد بزرگوار کے لئے جو عمر ہی میں مجھ سے بڑے نہ تھے بلکہ مجھ سے زیادہ عرصہ سے پنشن بھی لے رہے تھے (واضح ہو کہ اس وقت مجھے پنشن لیتے ہوئے بیسواں سال تھا!) دعائیں کرنے کو فرمایا۔ میں نے صدقِ دل سے ان کے لئے وہاں بھی دعا کی اور اب بھی اس نیت

Marfat.com

میں انہیں شامل کرلیا ہے جن کے لئے نام بہ نام دعا کرتا ہوں۔

شب آخر گشت و افسانہ ز افسانہ می خیزد! قصہ کوتاہ، کمرے پر واپس آیا تو بخار میں لت پت تھا۔ یہ تھی میرے بخار کی شان نزول۔ ادھر کرنل صاحب کے مشورہ کے مطابق دو تین دن بتیسی کے بغیر رہنے کے سلسلے میں میں نے اُسے اپنے کُرتے کی جیب میں ڈال لیا اور اسی حالت میں سویا تو ایک رات وہ میرے جسم سے دب کر ٹوٹ گئی۔ گویا نہ رہا بانس، نہ امکان رہا بانسری بجنے کا! یا

ع، وہ شاخ ہی نہ رہی جس پہ آشیانہ تھا!

مجھے یقین تھا کہ بخار ہلکا ہونے پر میں کرنل صاحب کے پاس جاتا تو وہ بتیسی کے جوڑنے کا ضرور انتظام کر دیتے مگر اس ڈر سے کہ لُو اور گرمی کی شدت سے میں پہلے سے بھی زیادہ تیز بخار میں مُبتلا ہو جاؤں گا اور خدا نخواستہ حج کے لئے بالکل از کار رفتہ، میری کرنل صاحب کے پاس دوبارہ جانے کی ہمت نہ ہوئی اور میں حج کے بعد وطن واپس آنے تک بغیر بتیسی کے رہا۔ کھانے پینے اور میری جسمانی طاقت کے بارے میں ناظرین اپنے اسپ تخیل کو مہمیز دیں۔ بتیسی کراچی واپس آنے ہی پر درست کرائی گئی۔

۵۔ غسل خانے نہیں صاف صاف پاخانے کہنا چاہیے کیونکہ غسل تو وہاں خواب کیا گمان میں بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ غسل تو بابا کھلے میدان میں کرتے ہیں اور یہ بہتر ہے کہ پاک صاف فضا تو ہوتی ہے۔ کس قدر جائے افسوس بلکہ صد ہزار افسوس ہے کہ حج جیسے مقدس اور پاک فریضہ کے سلسلہ میں جس کی ادائی اسلام کے ابتدائی ایام سے جاری ہے مسلسل ایسی بے احتیاطی بلکہ گندگی اور ناپاکی کی روش چلی آرہی ہے۔ ہمارے پورے کیمپ میں جس کی آبادی عورتوں اور مردوں پر کم و بیش برابر برابر کی تعداد پر مشتمل کوئی چار سو تو رہی ہوگی صرف شاید چھ بیت الخلاء تھے۔

وہ بھی کیسے؟ ٹین کی چھوٹی چھوٹی چادریں کچی زمین میں کھڑی کرکے دیواریں قائم کردیں اور اس طرح بکھرے ہوئے ہر حصہ کے سطح کی زمین میں ایک گہرا اور چوڑا سوراخ بنا دیا یا گڑھا کھود دیا۔ قدمچے غائب، فضلہ اور پیشاب کی ہر طرف بھرمار، جوتوں میں گندگی، بدبو، بے پردگی، تاریکی، اور صرف ٹمٹماتا ہوا ایک بلب باہر پانی کا ایک بہت بڑا ڈرم جس کی ٹونٹی نہیں استعمال کی جا سکتی اس لئے کہ وہ زمین پر، نہ کہ کسی بلندی پر، رکھا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ عرب میں یہ عام دستور ہے اس لئے کہ مکہ معظمہ کے ہمارے پہلے مکان بلکہ کمرہ میں بھی ہمیں یہی شکایت تھی۔ پھر ڈرم میں ٹونٹی لگانے کی ضرورت؟ ہر طرف کیچڑ ہے، وہی لوٹے اور برتن ڈال ڈال کر پانی نکالا جا رہا ہے جو بیت الخلاء لے جائے گئے تھے۔ اسی سے وضو ہو رہا ہے۔ پانی ڈرم کی تہہ میں گیا تو سارا کھیل ختم۔ (ایک بار ایک صاحب نے اس کے اندر کودنے کا ارادہ کیا تھا۔ انھیں باز رکھا گیا۔) کیمپ کے باہر ایک نل ہے جس پر کبھی لمبی قطار لگی ہے۔ آپ کا نمبر کب آئے گا کچھ نہیں معلوم۔ وہاں بھی برتن، لوٹا یا بالٹی وغیرہ دھونے کا سوال نہیں جس طرح بنے پانی حاصل کرو اور وضو کرکے نماز پڑھ ڈالو۔ نماز، بس نماز، پانی کے برتن کی ناپاکی کو بھول جاؤ۔ اللہ معاف کرے۔ سمجھ میں نہیں آتا ان حالات کی ذمہ داری کس پر ہے؟ اور حالات پر کیوں قابو نہیں پایا جاتا۔ کیا آپ ایسی طہارت سے بترا نماز کے قائل ہیں؟ اور عین حج کے دوران! کیا حضورؐ نے ایسی حالت میں یا کسی قسم کے مخالف حالات میں کبھی نماز کے لئے طہارت معاف کردی تھی؟ پانی کی عدم موجودگی میں تیمم کی اجازت تو معلوم ہے مگر ناپاک پانی یا برتن سے کسی حالت میں بھی وضو کی اجازت کم از کم مجھے نہیں معلوم! کیا حضورؐ سے بڑھ کر مطہر کوئی اور گذرا ہے؟ کیا حضورؐ کی زندگی میں ایسی کوئی مثال ملتی ہے؟

Marfat.com

سنا گیا۔ واللہ عالم کہاں تک صحیح ہے۔ کہ ان حالات پر غور ہوا تھا اور خیموں کے کیمپ کے بجائے پختہ حجرے بنوانے، باقاعدہ غسل خانے تعمیر کرنے اور پانی اور روشنی کے بہتر انتظام اور فی الجملہ حاجیوں کو دیگر آسانیاں بہم پہنچانے کی تجویز ہوئی تھی مگر علمائے وقت اور فقہائے عہد نے (کہاں کے ؟) اس کے خلاف فتویٰ دیا کہ حج میں ہر قسم کی تکالیف کا ثواب ہے۔ حاجیوں کو راحت عزیز ہے تو انہیں اس راہ میں اپنے گھر سے باہر نہیں نکلنا چاہیئے !! اگر یہ سچ ہے تو انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مگر سچ نہیں ہے تو حالات میں تبدیلی کیوں نہیں پیدا کی جاتی ؟

شہ۵۰ اس سے پہلے سال قیام گاہ کے اندر چولہے یا انگیٹھیوں کے استعمال سے خیموں میں آگ لگ گئی تھی۔ اس لئے حکومت نے اسے منع کر دیا۔ اور خیموں سے الگ ایک پختہ جگہ بنوا دی ہے جہاں ناشتے کھانے کا مختصر پیمانہ پر انتظام کیا جا سکتا ہے۔

شہ۵۱ دانتوں کی بتیسی ٹوٹ جانے کے بعد جیسا کہ پہلے لکھ چکا ہوں میرا تو بقیہ دوران قیام سعودی عرب کم و بیش یہی کھانا بینا رہ گیا تھا۔

شہ۵۲ ہر مرزی کمبول کیبش۔ ایک داڑھی والے موٹے موٹے، گول گول، چھوٹے قد کے صاحب بھی آگے بڑھ بڑھ کر اور اچک اچک کر اونچے لہجے میں قینچی کی طرح زبان چلاتے سے باز نہیں آ رہے تھے۔

شہ۵۳ مسئلہ مولانا سید منتخب الحق کے الفاظ میں دراصل یہ تھا کہ "اگر مسجد نبوی میں ظہر و عصر کی امامت کوئی مقیم کرے اور نماز میں قصر کرے تو جمہور کے نزدیک اور فقہائے احناف کے نزدیک یہ نماز نہیں ہوتی اس لئے اعادہ واجب ہے۔ آج کل عموماً یہ ہوتا ہے کہ مقیم امام جماعت کے ساتھ قصر کر کے دو

Marfat.com

رکعت ہی پڑھا دیتا رہے اس لئے ہمارے حنفی فقہا کے نزدیک احتیاط اس میں ہے کہ اپنی جگہ پر خیموں میں ظہر کو ظہر کے وقت پھر عصر کو عصر کے وقت میں جماعت کے ساتھ ادا کریں کیونکہ ظہر اور عصر کی نمازوں کو جمع کرنے کی شرط یہ ہے کہ امام المسلمین کی اقتدا میں ہو جو خیموں میں نہیں ہو سکتی۔" (رسالہ "حج اور عمرہ") چنانچہ بہ ہمہ وجوہ و نیز بہ نظر احتیاط یہی مناسب معلوم ہوا کہ یہ دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت پر ہی خیمہ میں باجماعت ادا کی جائیں اور ایسا ہی کیا گیا۔ ان نمازوں کے امام اور آگے مزدلفہ میں مغرب اور عشا کی مشترک نماز، دوسری صبح کو فجر کی نماز نیز دورانِ حج خیموں میں بعض اور نمازوں میں بھی امام حاجی یٰسین صاحب تھے۔ انھیں ہماری طرف سے امام الحجاج کا لقب زیب دیتا ہے۔

۵۶ دعائیں تو اس مقام پر بہت کیں جن میں سے سب یاد بھی نہیں لیکن سوچتا ہوں تو خیال آتا ہے کہ رونا اس بات پر بھی آ رہا تھا کہ آج حضورؐ کے حجۃ الوداع کے خطبہ کے ارشادات میں سے ہم کتنوں پر عامل ہیں۔ یہی خیال حال ہی میں مختصراً اپنے "قطراتِ شبنم" میں بھی ظاہر کیا ہے۔

۵۷ پہلی بار اور آخری بار بھی ان حضرت کو ایسی دھواں دھار تقریر کرتے بلکہ بولتے ہوئے دیکھا تو بڑا اچنبھا ہوا۔

۵۸ مزدلفہ پہنچ کر مغرب اور عشا کی ایک ساتھ نماز پڑھنے کے لئے وضو کرکے میں نے اپنی چپلیاں چٹائی کے ایک کونے کے نیچے چھپا دی تھیں۔ پھر بقیہ شب چٹائیوں ہی پر گذاری، سوا صبح سے کچھ پہلے کے جب سردی لگنے کی وجہ سے میں اٹھ کر بس کے اندر لیٹنے چلا گیا جو چٹائیوں کے ساتھ ہی کھڑی کی گئی تھی۔ اب فجر کے وقت جو اپنی چپلیوں کو ڈھونڈھا تو ایک اپنی ایک کسی اور کی اور اس سے

Marfat.com

بڑھ کر یہ کہ زنانی اور سرخ رنگ کی اونچی ایڑی کی ملی ۔ میری بیوی اور سب نے دیکھا تو میری خوب ہنسی اڑائی ۔ بہت پوچھ گچھ کے بعد بھی پتہ نہ چلا کس کی تھی اور وہاں کیسے آئی ۔ یہ بے جوڑ چپلیاں میں نے جدّہ ایئرپورٹ پر اپنے سفر کی آخری شام تک استعمال کیں جس کے بعد کراچی واپس آنے کے لیے اپنے سامان سے معمولی کپڑے اور جوتے نکال کر پہنے ۔ پھر ان بے جوڑ چپلیوں کو ٹرمینل کے ایک کوڑے دان میں پھینک دیا ۔

۵۹ میں صاف کہتا ہوں کہ پی آئی اے والوں کو اس امر کا ذرہ برابر اندازہ نہیں تھا کہ ارکان حج کی اصل صورت حال نیز ان کی ادائی کے مقامات کے نقشوں سے واقفیت بہم پہنچائے بغیر ایک خوفناک دھمکی کے ساتھ اُن کی طرف سے متذکرہ تاریخیں مقرر کر دینے سے حاجیوں کو انتہائی قلیل وقت میں اور سفر حج کے آخری مرحلہ کی بے امان اور ناقابل بیان گہما گہمی کے پیش نظر طوافِ زیارت و سعی نیز طوافِ وداع، شیطانوں کو دو دن زوال آفتاب سے شام تک کے دوران میں کنکریاں مارنے اور دو بار منیٰ اور مکہ معظمہ اور ایک بار مکہ معظمہ اور جدّہ ایئرپورٹ کے درمیان مسافت سے عہدہ برآ ہونے میں کتنی صبر آزما مشکلات بلکہ کم و بیش ناقابل عمل اقدامات کا سامنا کرنا پڑے گا!

اسی کے ساتھ یہ بھی کہوں گا جیسا آگے چل کر معلوم ہوگا کہ حرم شریف کی اوپری منزل میں دونوں طوافوں کے سلسلے میں ہمارے ساتھ جو انتہائی تکلیف دہ حادثہ گزرنے کا بیش تر یا زیادہ بھی براہِ راست اسی عدم پیش بینی کا نتیجہ تھا ۔

مزا یہ ہے کہ اپنی ان تمام دقتوں اور صعوبتوں کے باوجود "لعبد از خرابی بصرہ" جب ہم پی آئی اے کے حکم کے مطابق تاریخ مقررہ اور وقت پر جدّہ

Marfat.com

ایئرپورٹ اپنی آمد کی رپورٹ کرنے پہنچے تو معلوم ہوا وہاں اُن کا کوئی دفتر نہیں تھا۔ وہ اس تاریخ کی شام کو قائم ہوا جس کے لئے یہ عذر پیش کیا گیا کہ حکومت سعودی عرب نے ہماری ایئرلائنز کے ساتھ خاطر خواہ تعاون نہیں کیا اور دفتر قائم کرنے کو کمرہ دیر سے دیا۔ دفتر برطرف وہاں تو مقررہ وقت پر ہماری پذیرائی کو پی آئی اے کا کوئی نمائندہ بھی موجود نہ تھا۔

یہ عرض کرنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ ان مشکلات کا اندازہ کرکے ہم نے پہلے ہی پاکستان حج آفس میں رجسٹر کیا تھا اور رقم سے کم جو جا رہا تھا وہ یہ تھا کہ بہ مجبوری جدہ میں پی آئی اے کو وقت پہ رپورٹ نہ کر سکنے کی صورت میں وہ دھمکی واپس لے لی جائے یعنی وطن کو ہماری روانگی کے لئے دوسرے یا تیسرے دن (نہ کہ بالکل آخری) ہوائی جہاز کا یا کوئی اور مناسب انتظام کیا جائے۔ کئی اہلکاران اور خدام الحجاج نے جن میں بعض ریٹائرڈ افسر بھی تھے وعدہ کیا کہ وہ مشیر حج صاحب سے کہہ کر جو اُن دنوں وہاں تشریف لائے ہوئے تھے ہمارے حسبِ منشا کوئی نہ کوئی انتظام کرا دیں گے مگر

ع وہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہو گیا!

خیال رہے کہ وعدہ سرزمینِ حجاز میں کیا گیا تھا اور وفا نہیں ہوا۔

"انسانوں کا سمندر" اور "دھکا بازی" جیسی اصطلاحات سنی تھیں تو اس سے پہلے آئی تھیں مگر ان کی اس حد تک بلا خیزی اور ایسی طوفانی کیفیت زندگی میں کبھی کاہے کو دیکھی تھی۔ "گرتے گرتے بچے" یعنی فرشِ زمین پر گرتے گرتے ہی نہیں بلکہ چونکہ ہم صحن کے بالکل کنارے پر تھے، دالانوں سے اُترنے کی سیڑھیوں پر گرتے تو خون خرابے کی نوبت آ سکتی تھی۔ جیسا کہ انہوں نے آگے لکھا ہے ہر بزرگ کا دل بھی ہجوم کے آگے اور پیچھے کے دباؤ سے

Marfat.com

جیسے بند ہونے والا تھا" اور میں اُن کے خون کا دباؤ بڑھ جانے کے خیال
سے بھی بہت گھبرایا ہوا تھا۔

۶۱ھ وہ تو ہونا ہی تھا۔ ہاتھ میں ہاتھ دینے کی وجہ سے دونوں پر ایک ساتھ اور
برابر کا دباؤ پڑا۔ اور دونوں ایک ہی وقت میں ایک ہی جگہ پر گرے۔ مگر
ایک ہی جگہ پر گرنے سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ فوراً ہی سنبھال بھی لئے گئے ورنہ
تتر بتر ہو جاتے یا بری طرح کچل جاتے۔ مزید شاید ایک دوسرے کی تلاش میں
مشکل پیش آتی۔ اس تمام واقعہ میں بیگم صاحبہ کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کا
بار بار ذکر کرنے پر عظمت اللہ خاں مرحوم کی نظم "میلا آمنا سنا" خواہ مخواہ یاد آگئی۔

دیا جب ہاتھ میں ہاتھ ہے ترے اک عمر کا ساتھ ہے!

کاش میری بقیہ زندگی میں ہمارا اس قسم کا ساتھ پھر ہو جائے۔

۶۱ الف اس پر یاد آیا کہ اسی ہوٹل میں اس سے پہلے ایک بار میں اور میری بیوی
داخل ہوئے۔ ایک میز پر ہمارے دو خدام الحجاج اپنی وردی میں ملبوس بیٹھے
کھانا کھا رہے تھے۔ بھیڑ تو نہ تھی مگر جگہ کی کمی تھی۔ دیر تک ہم کھڑے رہے مگر ایک
نے بھی کم از کم میری بیوی کے لئے نہ صرف جگہ خالی نہیں کی بلکہ معلوم ہوتا تھا انہیں
معلوم بھی نہیں ہے کہ ان کے آس پاس کوئی ہے یا یہ کہ ایسے موقع پر ان سے کیا
توقع کی جاتی تھی۔ میں نے "السلام علیکم" کہہ کر یاد دلانے کے لئے ان میں سے ایک
سے پوچھا"۔ آپ خادم الحجاج ہیں؟"۔ موصوف نے بغیر سلام کا جواب دیئے
صرف "ہاں" کہہ دیا۔ تب میں نے کہا "بھائی! آپ نے میرے سلام کا جواب
تو دیا ہوتا"۔ بولے "سلام تو ہم نے سب کو ہوٹل میں داخل ہوتے ہی وقت کر لیا تھا"۔

۶۲ھ مجھے خوب یاد ہے کہ اوپر کی منزل میں دالان کی روک کی دیوار کے
ایک پائے کو تکیہ کے طور پر استعمال کرتے ہوئے ذرا دیر کے لئے لیٹ

جانے میں کیسا لطف آیا تھا اور طبیعت کتنی ہلکی ہو گئی تھی۔ بیوی نہ اکساتیں
کہ آرام کا وقت بالکل نہیں ہے تو جی چاہتا تھا کہ اسی طرح لیٹا رہوں۔ جی چاہا
ایک بار تو پھر وہی خنکی اور پھر وہی لطف نصیب ہو۔

حاجت رواں کے موقع پر نہیں بلکہ وہ تو ہر وقت اپنے بندوں سے قریب ۶۳
ترین ہی رہتا ہے۔ پارہ حم ۲۶، سورہ ق میں خداوند تعالے فرماتا ہے "ہم
تو اس کی (انسان کی) رگِ گردن (حبل الورید) سے بھی زیادہ قریب ہیں"
اور یہ بیان اس سلسلے میں ہے کہ جب ہم نے انسان کو پیدا کیا تو اس کی ترکیب و
تعمیر میں جو صفات و ضروریات و خواص رکھے گئے ہیں انہیں ہم سے بہتر
کون جان سکتا ہے؟ چنانچہ تمہاری ضرورتیں ہم پر ہر وقت روشن رہتی ہیں۔

اب دونوں میاں بیوی جدہ میں ہیں۔ نعیم کی دلہن وہاں پاکستانی ۶۴
اسکول میں معلمہ ہیں۔ کراچی میں بھی کسی اسکول سے متعلق تھیں۔ پچھلے دنوں
دونوں جدہ سے کراچی آئے تو ہم سے مل کر گئے۔

اور یہ کالونٹ خصوصاً اس کا آخری جملہ ملاحظہ کریں۔ لیٹین صاحب سے بھی ۶۵
ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ وہ راس مسعود سوسائٹی کی طرف سے شائع شدہ
میری مرتب کی ہوئی کتاب "شعلۂ مستعجل" کی رسمِ افتتاح میں شریک تھے۔
ہم میاں بیوی نے سعود آباد جا کر نعیم کی چھوٹی بہن کی شادی میں شرکت کی۔

معلوم ہوا کہ سعودی عرب اور مشرق وسطیٰ کے بعض دوسرے ممالک کو ۶۶
بھیجے جانے والے خطوں کے پتہ پر صندوق البرید (پوسٹ بکس) نمبر لکھنا
بہت ضروری ہے۔ اقبال سلمہٗ نے ہمیں یہ نمبر نہیں لکھا یا تھا۔ شاید اس لئے
اسے ہمارے خطوط نہیں ملے۔ مگر اسے تو ہمیں خط بھیجنا یا کراچی آنے پر ہم
سے ملنا چاہئے تھا۔

٦٧ سچ پوچھیے تو وہاں کا تحفہ یہی ہو سکتا تھا اور آبِ زم زم۔ میں نے حج کی تکمیل سے پہلے عربی لباس بھی خریدا تھا۔ چیزیں تو لانے کی بہت تھیں مگر دوستوں نے بتایا کہ سب کچھ حتیٰ کہ کھجور، تسبیحیں اور ٹوپیاں تک کراچی کے ڈنسو ہال کی دکانوں پر جتنی چاہو مل جاتی ہیں اور مکہ معظمہ کے بازاروں سے سستی۔ سنا ہے کہ اِدھر سے جانے والے بہت سے حاجی کرتے بھی یہی ہیں کہ واپسی پر ایسی سب چیزیں یہاں سے خرید لیتے ہیں۔ باہر کا آیا ہوا یعنی جاپان، چین، کوریا یہاں تک کہ ہندوستان کا بھی نہ جانے کتنا اور طرح طرح کا مال جسے فضولیات میں سمجھنا چاہیے وہاں کے بازاروں میں گراں سے گراں قیمت پر ملتا ہے اور مفصلات سے گئے ہوئے ہمارے حاجی اور اُن کی خواتین جنہوں نے یہ سب کچھ نہیں دیکھا ہوتا ہے اپنا پیسہ ان چیزوں کی خریداری پر خوب برباد کرتے ہیں۔ مگر پاکستانی سامان کوئی بھی وہاں کے بازاروں میں دیکھنے میں نہیں آیا۔ ویسے ہم نے خاص اس نقطۂ نظر سے بازاروں کا جائزہ نہیں لیا تھا۔

٦٨ اس رات اُنہیں بے حد تکلیف پہنچی اُنھیں کھانے اور واپسی کے سفر کے لئے بار بار جگانے پر۔ کھانے کی چیزیں سب رکھی رہیں، اکیلے کھانے کو جی نہ چاہتا تھا۔ ویسے جب اُن کی طبیعت خراب ہوتی ہے تو میں سونے ہی دیتا ہوں اور مگر اس وقت اس کا موقع نہ تھا۔

٦٩ اور یہی کی چھوٹی موٹی چیزیں دواؤں کی شیشیوں وغیرہ کی قسم کی تھیں جو انہیں پکڑائی گئیں اگرچہ بگڑتی رہیں۔

٧٠ سفرِ حج کی ساری مدت میں پہلی بار سلف سروس کے ذریعہ اور نفیس ماحول میں اعلیٰ معیار کا ناشتہ ملا ورنہ اب تک شور شرابے والے زیادہ تر

Marfat.com

غیر منظم پنجابی اور ملاباری ہوٹلوں ہی سے سابقہ رہا تھا اگرچہ ان کے کھانے اور چائے وغیرہ کا معیار ہماری پسند کے مطابق ہوتا تھا ان کی روسٹ کی ہوئی مرغی ایسی اچھی اور خستہ ہوتی تھی کہ اپنی بتیسی ٹوٹ جانے کے زمانے میں بھی آسانی سے کھا سکتا تھا۔ برسبیل تذکرہ بعض لوگوں کو ذبیحہ کی طرف سے کچھ شبہ تھا اس لئے کہ مرغیاں ٹھنڈے گوشت کی شکل میں باہر سے آتی تھیں مگر ہمارے پاس سعودی عرب کی اسلامی حکومت کے انتظامات پر عدم اعتماد کی کوئی وجہ نہ تھی۔

۱۷ جیساکہ آگے چل کر معلوم ہوگا ہم لوگ غلط جگہ پر اتر گئے تھے اور میری حماقت کی وجہ سے۔ یہ انٹرنیشنل فلائٹس کی باہر جانے والی پروازوں کا ٹرمنل تھا، حج ٹرمنل نہ تھا۔ ظاہر ہے کہ پی آئی اے کا دفتر اپنے جہازوں کی پروازوں کے وقت کھلتا اور جبھی ان کا عملہ بھی موجود ہوتا۔ ہمیں بتایا گیا تھا کہ ٹیکسی اور ویگن والے زیادہ سے زیادہ ریال کمانے کی غرض سے زیادہ سے زیادہ پھیرے لگاکر اور جلدی جلدی مسافروں کو ایرپورٹ پر غلط سلط جگہ پر اتار کر شہر واپس آجاتے ہیں لہٰذا میں اس معاملہ میں ضرورت سے کچھ زیادہ محتاط ہوگیا اور ویگن والا جس جگہ پہلے اتار رہا تھا میں نے وہاں کسی کو نہ اُترنے دیا۔ اس جگہ سناٹا سا تھا اور روشنی بھی کم تھی۔ پُراسرار سی جگہ معلوم ہوئی۔ میں نے خود اتر کر ویگن والے کے شور وغل کے باوجود خوب گھوم پھر کر دیکھا تو حاجیوں کے قبیل کا کوئی ہجوم بھی نظر نہ آیا۔ میں نے سمجھ لیا کہ ویگن والا دھوکہ دے رہا ہے اور جہاں وہ اتار رہا ہے وہ حج ٹرمنل نہیں ہے حالانکہ میرا خیال غلط تھا۔ چنانچہ میرے کہنے پر وہ ہم سب کو اس جگہ لے آیا جہاں خوب روشنی اور گہما گہمی تھی اور ڈیپارچر لاونج کی بڑی سی رنگین

Marfat.com

تختی ٹنک رہی تھی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ ہماری روانگی یہیں سے ہونی ہے اور میں نے سب کو یہیں اُتروا لیا۔ نتیجہ اس غلطی اور غلط فہمی کا آگے آتا ہے جس کے باعث اپنے ساتھیوں اور خواتین سے مجھے بڑی شرمندگی ہوئی اور اب بھی یاد کرتا ہوں تو دل میں نادم ہوتا ہوں کیونکہ جسمانی بے آرامی کے علاوہ مالی نقصان بھی ہوا کہ حج ٹرمنل پر ہم سب کو اپنے سامان کے ساتھ دوبارہ پہنچنے کے لیے ٹرانسپورٹ پر مزید خرچ کرنا پڑا۔

حج ٹرمنل تک پیدل پہنچنے میں جو صعوبت اُٹھائی اس کا ذکر انتہائی تکلیف دہ ہے۔ اگرچہ ٹرمنل بالکل سامنے نظر آ رہا تھا اور درمیان میں صرف میدان تھا مگر آگے بڑھے تو معلوم ہوا میدان بہت بڑا تھا اور خاردار تاروں سے گھرا ہوا تھا اگرچہ بیچ بیچ میں اندر جانے کے لئے راستے بھی تھے مگر ہم وہاں پہنچتے تو سنتری روک دیتا کہ اندر آنے کی اجازت نہیں ہے۔ نہ جانے کتنی مشکلوں سے اور تھک کر چور ہو کر ہم نے اس میدان کا پورا چکر کاٹا تو ایک شاہراہ پر آ گئے جس پر ایک بڑا سا پل تھا۔ اس کی بلندی سے دیکھا تو نظر آیا کہ حج ٹرمینل کے چاروں طرف بھی جنگلہ ہے۔ چنانچہ وہاں تک پیدل پہنچنے اور ٹرمنل میں داخلہ کی امید منقطع ہونے لگی اور ہم پر ہراس طاری ہونے لگا۔ شاہراہ پر ٹیکسیاں گذر رہی تھیں مگر سب مسافروں سے بھری ہوئی۔ ادھر ہمیں وہی پی آئی اے کے دفتر میں وقت پر اپنی آمد کی رپورٹ درج کرانے کا خیال کھائے جا رہا تھا۔ کس مشکل سے ایک خالی ٹیکسی ملی اور کتنی رقم خرچ کر کے ٹرمنل کے داخلے کے پھاٹک پر پہنچے تو سنتری نہ اندر جانے دے نہ ہماری کوئی بات سنے۔ پھاٹک پر جو کوٹھری یا کمرہ تھا اس کے اندر بار بار چلا جاتا اور عربی زبان میں نہ جانے کیا کیا کہتا۔

Marfat.com

غرض کہ تفصیل کہاں تک بیان ہو مختصراً خدا مہربان تھا کہ ڈرائیور نے مجھ کہہ سُن
کر اسے رام کیا شاید اصل معاملہ سمجھایا اور ہمیں اندر لے گیا اور اس کے
بعد ہمارے ساتھیوں کو سامان سمیت انٹرنیشنل فلائٹس کے ٹرمنل سے جہاں
وہ رکے ہوئے تھے لانے اور اندر لے جانے کی اجازت دینے پر بھی راضی کر لیا۔

۷۳ہ پی آئی اے کے دفتر کے سلسلے میں جو ٹرمنل پر ہمیں جو تلخ تجربہ ہوا اس
کا بیان تصریح نمبر ۵ کے آخر میں آچکا ہے۔

۷۴ہ ملاحظہ ہو تصریح نمبر ۹۵۔ دفتر کھلا تو کوئی اعلان نہیں کیا گیا۔ یہ بھی اچھا
ہوا کہ ہم ٹرمنل پر مارے مارے پھر رہے تھے اور ہم نے دیکھا کہ ایک کھڑکی
کے اوپر پی آئی اے کے نام اور اس کے جہازوں کی تصویروں کے پوسٹر
چسپاں ہیں۔ کھڑکی پر ہجوم کے ساتھ میں کئی کئی بار کھڑا ہوا تو میرا دم گھٹنے لگا۔ وہ
تو خدا بھلا کرے میاں نعیم کا کہ انہوں نے ہم سب کے پاسپورٹ اور ٹکٹ لے
کر اپنے کسی دوست کے پاس جمع کر دیئے اور مکمل کرا کے مقررہ وقت پر ہمیں
لا کر دیئے۔

۷۵ہ ادھر بھی کچھ ایسا ہی حال رہا۔ سوتے سوتے آنکھ کھلتی یا اذان کی آواز آتی تو
ہوشیار ہوتے سے پہلے یہی احساس ہوتا کہ حسب معمول حاجیوں کے ہجوم
میں زمین پر لیٹا ہوں، ہر طرف سے کھانسنے کی آوازیں آرہی ہیں سرہانے
اور ادھر ادھر چپلیاں ہی چپلیاں بکھری پڑی ہیں اور نماز کے لئے
جانا ہے۔ کبھی آپ ہی آپ چونک پڑتا، کانوں میں آواز آتی "حاجی صاحب
نماز کے لئے دیر ہو رہی ہے"۔

Marfat.com

اضافی معروضات

سحر در شاخسار بوستانے
چہ خوش می گفت مرغ نغمہ خوانے
بر آور ہر چہ اندر سینہ داری
سرودے، نالہ اے، آہے فغانے! (اقبالؔ)

[کتاب ہٰذا کی معروف مصنفہ، میری عزیز رفیق حیات ہر جی بیگم نے ہمارے
قدس کے بارے میں نہایت خوبصورتی اور آسانی کے ساتھ پہلے ہی اتنا کچھ لکھ دیا
نیز راقم سطور نے اس پر "تصریحات" کے ذیل میں اتنے اضافے کر دیئے ہیں کہ اب
سلسلے میں کسی مزید تفصیل کی گنجائش نہیں معلوم ہوتی۔ مگر نظرِ غور سے دیکھا جائے تو جو
ہوں نے لکھا ہے صرف وہ ان کے دل کی آواز ہے بلکہ میں نے جو عرض کیا چونکہ اس میں
ان کے مضمون کے بعض مقامات کی تشریح و توضیح کی گئی ہے! ایک طرح پر اسے
مصنفہ ہی کی آواز بازگشت یا ان ہی کی تحریر کا تتمہ کہنا چاہیئے۔ بے شک میری تحریر
میرے اپنے خیالات بھی شامل ہیں مگر بہت سے ایسے احساسات، تجربات اور
اہات وغیرہ جن کا تعلق صرف میری ذات سے ہے، ان بیانات میں پھر بھی نہیں آ
ے۔ یہاں اس قبیل کی کچھ سطور کے اضافہ کی میری طرف سے یہی معذرت ہے۔]

راقم سطور کے ناقص اور محدود مطالعہ کے مطابق کلام پاک میں حج
متعلقات حج کے بارے میں گیارہ موقعوں پر طویل یا مختصر تذکرہ آیا ہے اور وہاں
یادہ تر مکۂ معظمہ کی تاریخ، اس کے تقدس و احترام، کعبۃ اللہ کی تعمیر اور اس
دارالامن ہونے کی اہمیت، حج کے مسائل و ہدایات نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام و

جناب اسمٰعیل علیہ السلام کی دعاؤں وغیرہ کا بیان ہے۔ حج سے مشرف ہونے والوں کی فضیلت یا ان کے بلند درجات پر خداوند تعالیٰ کی طرف سے انھیں انعام واکرام جیسی باتوں کا ذکر احادیث میں ملتا ہے، مثلاً حج کرنے کے بعد ایک مسلمان کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ اس حد تک پاک وصاف ہو جاتا ہے جیسے ایک بچہ جو اسی وقت پیدا ہوا ہو۔ اس قسم کی ایک حدیث کا اپنی "تصریحات" کی شق نمبر ۳ میں حوالہ دے چکا ہوں۔ لیکن وہ تو غالباً حج کرنے والے کے حج سے پہلے کے گناہوں کے بارے میں حضورؐ کے ارشادات ہوئے۔ یہ کیسے باور کر لیا جائے کہ وہ شخص حج کے بعد اپنی "بشریت" یعنی انسانی کمزوریوں کے باوجود بقیہ زندگی کے آخری لمحہ تک خطا ونسیان سے قطعاً مبرا ہی رہے گا۔ چنانچہ ہزار کوشش کے باوجود اکثر نہیں تو کبھی کبھی اس کے قدم ڈگمگا بھی سکتے ہیں۔ تو سوال یہ ہے کہ ایسے شخص کا کیا بنے گا؟

اس خلش کے ازالے کے سلسلے میں راقم کی فہم ناقص کے مطابق ہمیں عمومی طور پر کلام پاک میں جگہ جگہ اور بار بار خوشخبری ملتی ہے۔ اور خاص طور پر اس آیت میں جو یوم الحساب کے موقع کی ہے۔ "جو کوئی اللہ پر ایمان رکھتا ہوگا اور نیک کام کرتا ہوگا اللہ اس کے گناہ اس سے دور کر دے گا اور انہیں باغوں میں داخل کرے گا... الخ" (پارہ قد سمع اللہ ۲۸، سورۃ التغابن ۶۴، رکوع ۱) گویا اس مالکِ حقیقی نے نیک عمل کرنے والوں سے بھی (اور حجاج حضورؐ کے ارشادات کے مطابق بدکرداروں کے ذیل میں تو نہیں آتے!) گناہ سرزد ہونے کے امکان کو تسلیم فرما کر ان کی بخشش کا وعدہ فرمایا اور ذمہ لے لیا۔ سبحان اللہ، سبحان اللہ!!

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ اس مقام پر اپنی تفسیر میں رقم طراز ہیں "یہ آیت ان خارجی اور نیم خارجی گروہوں کے مزید رد میں ہے جو معصیت کو ایمان کے منافی سمجھتے ہیں۔ مومن

Marfat.com

سے اگر گناہ سرزد ہی نہ ہوں تو یہ کفارہ کا ہے کا ہوگا اور قرآن مجید مومنین کے کفارۂ معاصی کا بار بار اثبات ہی کیوں کر رہا ہے ؟... قرآن مجید کی یہ بار بار کی بشارت کہ نیکیاں گناہوں کے محو کرنے میں وہ کام دیں گی جو منسل کے حق میں ربڑ کرتی ہے ہم عاصیانِ امت کے لئے کتنی بڑی بشارت ہے۔"

بار ہا اس مضمون کی آیات معہ ترجمے کے نظر سے گذری تھیں مگر اب کی بار (یعنی حج کے سفر سے واپس آنے کے بعد) مولانا کی ان سطور پر نظر پڑنے پر اُن کا مفہوم ہی کچھ اور سمجھ میں آیا اور جو سمجھ میں آیا اس کی بنا پر موصوف ہی کی اصطلاح مستعار لے کر اس "نامہ سیاہ" کے ذہن میں آنے والے خطرات دور ہونے لگے اور دل کو جو تقویت و طمانیت نصیب ہوئی وہ بیان سے باہر ہے ؎

کتنی ملی ہے قلب کو راحت نہ پوچھئے ! (جلیل قدوائی)

جب غور کرتا ہوں کہ اس خدائے لازوال، ربِّ ذوالجلال، معبود بے مثال، ارحم الراحمین، احکم الحاکمین، مالکِ یوم الدین نے اپنی لامحدود کریمی اور بے اندازہ بخشش کے طفیل میں مجھ جیسے ایک کوردہ میں پیدا ہونے والے، نصف کروڑ سے زائد کی آبادی والے شہر کے ایک بے حد ذلیل و حقیر نیز اپنے غریب ترین والدین سے منسوب، خود اپنی ذات میں بھی نہ دنیا نہ دین میں کوئی قابل ذکر حیثیت رکھنے والے ناتوان، جاہل مطلق، کندۂ ناتراش جسے معمولی نیک و بد میں امتیاز کا سلیقہ نہیں، بقول خود ؎

آنکھیں میں اور نظر نہیں آتا برا بھلا
ان کو تلاش آپ کی بس خاک پا کی ہے !

گمنام نہیں بدنام، کسی کی زبان سے اپنی تحسین نہ سننے والے، اپنی عمر کے آخری حصہ میں دل و دماغ پر لاتعداد غموں کا بوجھ اٹھائے ہوئے، اپنے ماضی و حال دونوں زمانوں میں ناکام اور مستقبل کی طرف سے بے یقین، خوف زدہ، سراسیمہ

Marfat.com

و مایوس، گم کردہ راہ گناہ گار، بدکار، بدترین خلائق، ہر طرف سے راندہ و درماندہ انسان کو، ع

دنیا کے بتکدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا (اقبالؔ)

دِکھانے یعنی کعبۃ اللہ شریف کی زیارت کا موقع بخشنے نیز حج بیت اللہ کی فرضیت سے سرخرو اور آبرومند بنانے کی خاطر منتخب کرنے کے بعد آواز دی اور اُس پر اُسے لبیک اللّٰھم لبیک کا نعرہ لگانے کی سعادت بخشی، جبکہ اُس نے اپنے اِس ناچیز یعنی مجھ بے دام و درم بندے سے کہیں زیادہ بڑے، نیک نام، شادکام، عالم و فاضل، دین کو روشنی دکھانے والے، دنیا کو زیر و زبر کر کے "انقلاب" برپا کرنے والے، نہ جانے کتنے بڑے بڑے اصحاب کو ازراہِ مصلحت تکوینی اس نعمتِ عظمیٰ سے قطعی محروم رکھا، تو حالتِ بے اختیاری میں ع

بدیں مژدہ گر جاں فشانم رواست

کا نعرہ لگانے کو جی چاہتا ہے... پھر سوچتا ہوں کہ جب جان اسی کی عطا کردہ ہو، اس کی نذر کے لئے بھی اسی کی توفیق درکار ہو اور جان کا جسم سے نکلنا اور اس کی بارگاہ میں مقبول ہونا بھی اُسی کے حکم و رضا کے محتاج ہوں تو ایسا خیال کرنا بھی ؎

جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا (غالبؔ)

کا مصداق ہی نہیں ہوگا بلکہ ایک مجبوری اور سرنگونی کی حالت میں جان کی پیشکش تو کمال بے ادبی سے بھی گئی گزری چیز ہوگی۔ لہٰذا باری تعالیٰ سے اپنی ناچیز ذات کے لئے اُس کی طرف سے حج بیت اللہ کی خاص الخاص بخشش اور کریمی کی شکرگذاری کے لئے باقی زندگی میں سجدوں پر سجدوں کی توفیق کے سوا کسی اور چیز کا طلب گار نہیں!

Marfat.com

مکہ معظمہ کے دوران قیام میں کبھی ایسا ہوتا کہ نماز نفل، طواف، تلاوت کلام پاک، وظیفہ، عمرہ اور زیارت مقامات مقدسہ وغیرہ سے فراغت کے بعد کچھ وقت بچ جاتا عموماً ظہر اور عصر کے درمیان تو بیوی تو خواتین کے ساتھ ہوتیں میں مسجد الحرام کی بلند و بالا، عریض و طویل، شاندار منقش عمارت کے جو لاتعداد بجلی کے پنکھوں اور بے شمار قیمتی جھاڑ فانوس اور ہر طرف بڑے بڑے بیش بہا خوبصورت ایرانی قالینوں سے آراستہ و مزین رہتی ہے، کسی دالان یا محراب میں اپنی تکان دور کرنے کی غرض سے سر کے نیچے اپنی جناح ٹوپی دبا کر سیدھی کر لیتا، اگرچہ تھوڑی ہی دیر میں سرکاری ہرکارے لکڑی کے ڈنڈوں کو زمین پر مار مار کر یا کھمبوں اور دیواروں سے کھٹکھٹا کر لیٹے یا سوتے ہوئے لوگوں کو اٹھا کر بیٹھنے پر مجبور کر دیتے۔ مطلب اس سے یہ یاد دلانا تھا کہ حرم شریف کوئی سرائے یا آرام گاہ نہیں ہے۔ دنیا کی قدیم ترین عظیم الشان خدائے واحد کی عبادت گاہ ہے اور اسے اسی طور پر استعمال ہونا چاہیئے۔

اسی طرح فرش پر پڑے ہوئے میرے ذہن میں قدرتاً کعبۃ اللہ شریف کے بعض ابتدائی حالات یا اس سے متعلق اسلامی تاریخ کے متعدد اہم واقعات گھومنے لگتے۔ مثلاً حضرت ابراہیمؑ کا حضرت ہاجرہ رضؓ اور حضرت اسماعیلؑ کو خداوند تعالےٰ کے حکم اور اسی کے پورے بھروسے پر "وادیٔ غیر ذی زرع" میں تنہا چھوڑ جانا، حضرت ہاجرہ رضؓ کا حکم خداوندی اور منشائے شوہر کے آگے بہ ہزار طیب خاطر سر تسلیم خم کر دینا (اللہ کے حکم پر ایمان اور شوہر کی قوامیت پر اعتماد کی کوئی حد بھی ہے!) حضرت اسمٰعیلؑ کا پیاس کی شدت سے بلکنا اور زمین پر ایڑیاں رگڑنا اور حضرت ہاجرہ رضؓ کا پانی کی تلاش میں بے قراری کی حالت میں صفا و مروہ کے درمیان دوڑتے پھرنا، چشمۂ زمزم کا پھوٹنا، صاف شیریں پانی کا اُبل اُبل کر نکلنا اور حضرت ہاجرہ رضؓ کا

Marfat.com

اس کے چاروں طرف بند باندھنا، پھر بعد میں اسی حضرت اسماعیلؑ کا اپنے پدر بزرگوار کو خدا کے سامنے سرخرو رکھنے کے لئے بلا تامل اُن کے خواب کے جواب میں اپنے کو قربانی کے لئے پیش کر دینا۔ خداوند تعالیٰ کی ہر دو کی اس قربانی پر خوشنودی اور اس واقعہ نیز حضرت ہاجرہؑ کی اپنے معصوم بیٹے کے لئے بیتابی کو تا قیامت یادگار بنانے کی خاطر قربانی اور سعی کو حج کے لئے لازمی ارکان قرار دینا، پھر باپ بیٹوں کے ہاتھوں کعبۃ اللہ کی تعمیر نو، حضرت ابراہیمؑ کی دین توحید کی تبلیغ و توسیع کی خاطر نیز مکہ کے دارالامن ہونے اور وہاں سے ایک رسولؐ کے پیدا ہونے کی دعا وغیرہ۔

اسی کے ساتھ بالآخر ہمارے حضورؐ، سرورِ کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم (روحی فداک) کا اسی شہر میں ظہور، چالیس سال بعد بہ حیثیت رسولؐ آپ کا مبعوث ہونا اور اس تاریکی کو جو حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسماعیلؑ کے زمانوں کے کچھ عرصہ کے بعد سے ہر طرف چھا گئی تھی اسے پھر سے نورِ وحدت میں تبدیل کر دینا ہے۔

چھائی رہی ہر سمت جہالت کی شبِ تار   جب تک نہ ہوئی صبح درخشان محمدؐ جلیل تدداں

خداوند تعالیٰ کے دین کی تبلیغ و توسیع و نشأۃ الثانیہ کی راہ میں رات دن اور قدم قدم پر آپ کا مصائب و مشکلات میں مبتلا ہونا وغیرہ۔ ابتدائی دور میں تو اگر نظر غور سے دیکھا جائے تو وہ استہزا اور ناروا برتاؤ بھی کچھ کم تکلیف دہ نہ تھا جو پہلی وحی اور دوسری وحی کے نزول کے طویل درمیانی وقفہ میں کفار و مشرکین مکہ نے آپؐ کے ساتھ مسلسل روا رکھا۔ حضورؐ کو طعنے دیئے جاتے تھے کہ آپؐ کے خدا نے آپؐ کو (خدانخواستہ) چھوڑ دیا۔ کوئی ٹھکانا تھا اس زمانے میں آپؐ کی مایوسی کا۔ جس نے آپؐ کا دل توڑنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ آخر اس یاس و حرماں سے آپؐ کو محفوظ کرنے اور آپؐ کے دل کو مضبوط و پُر امید و پُر حوصلہ رکھنے کی خاطر سورۃ الضحیٰ ۹۳ (پارہ عم ۳۰) نازل ہوئی۔ "قسم ہے دن کی روشنی کی اور رات کی جب وہ قرار پکڑے کہ آپؐ کے

پروردگار نے آپ کو نہ چھوڑا ہے اور نہ آپ سے بیزار ہوا ہے"۔ اور آپ کا غم دور ہوا۔

یہ اور ایسے کتنے ہی واقعات و حالات یاد کیا آتے دل کی آنکھ کے سامنے سے جیسے ایک کے بعد ایک گزرتے چلے جاتے اور روح بالیدہ ہوتی تھی یا زخمی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ وہ کیفیت بیان میں نہیں آ سکتی!

زم زم کے سلسلے میں خیال آتا کہ ماں کی مامتا بھی خدا کو کس قدر عزیز ہے جس کی مقبولیت کا اظہار اس نے اس طرح کیا کہ اس چشمۂ فیض کو اتنا بابرکت بنایا کہ ہر سال کم و بیش پچیس لاکھ مسلمان اقطاع عالم سے عموماً شدید ترین گرمی کے زمانے میں حج بیت اللہ سے مشرف ہونے آتے ہیں اور ہزاروں کی تعداد میں سعودی عرب کے حجاج ہوتے ہیں۔ وہ سب کوئی دو ماہ تک اس سے روزانہ غسل کرتے ہیں، کپڑے پاک کرتے ہیں: پنج وقتہ (اگر زیادہ نہیں) وضو کرتے ہیں اسے پیتے ہیں، اپنی جائے قیام پر وافر مقدار میں جمع کرتے ہیں اور حج سے فراغت کے بعد تبرک اور تحفہ کے طور پر بڑے بڑے برتنوں میں بھر بھر کر اپنے ساتھ لے جاتے ہیں (اگرچہ ہائے اقبال ہی کا جی جانتا ہو گا جس گہرے درد کے ساتھ اس نے یہ مقطع کہا تھا۔

زائران کعبہ سے اقبال یہ پوچھے کوئی
کیا حرم کا تحفہ زم زم کے سوا کچھ بھی نہیں)

مگر پانی ہے کہ اس میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ پھر اس کی تاثیر کہ ہاضم نیز صرف اسی پر خاصے عرصہ تک یہ بطور خوراک گذارہ بھی ہو سکتا ہے اور یہ کہ جس کام کے لئے پیو خدا اسے پورا کرتا ہے وغیرہ۔

قربانی کا خیال آنے پر امریکہ سے ہمارے ہاں دروازہ توڑ کر در آنے والی آج کل کی سستی اور بیہودہ اصطلاح جنریشن گیپ (GENERATION GAP) یاد آتی

جیسے باپ کے حکم سے بیٹے کی سرتابی نہیں تو ہر دور کے درمیان اختلاف رائے و عمل کے زبردست تدرتی جواز کے طور پر پیش کیا جاتا ہے اور ذہن میں اقبال کا شعر در آتا جو دراصل ہر زمانے میں مسلمان کے لئے صحیح راہِ عمل مقرر کرتا ہے۔

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسمٰعیلؑ کو آدابِ فرزندی!

حضرت ابراہیمؑ کی دعا پر غور کرتا جسے خداوند تعالیٰ نے کیسی مقبولیت بخشی کہ مکۂ معظمہ میں حج بیت اللہ کی ادائی کو مسلمانوں کے دینی فرائض کا ایک رکن قرار دے دیا اور آبادی کے لحاظ سے اجاڑ مکہ کو نہ صرف لاکھوں نفوس کا شہر بنا دیا بلکہ اشیائے ضرورت کی فراوانی کے اعتبار سے اس نافِ زمین کو دنیا جہان کے کھانے پینے اور برتنے والی نیز دیگر انواع و اقسام کی چیزوں سے لاکھوں کی تعداد میں اور ٹنوں کی مقدار میں مالا مال کر دیا۔ حتیٰ کہ جدید ضروریات کے پیش نظر اونٹوں کے اس شہر میں بڑی بڑی موٹروں اور اس کے ساتھ پانی کی طرح سستے تیل کی بھی افراط کر دی۔

مکۂ معظمہ میں خالی وقت میں میری ایک نماز خانہ کعبہ کو دیکھتے رہنا یا تکے جانا بھی ہوتی۔

ع کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری (میری؟) (اقبال نظم بلال)

کہ اس کے گرد نماز پڑھنے یا طواف کرنے کے عوض علی الترتیب ۴۰ اور ۶۰ رحمتوں کے علاوہ صرف اسے دیکھتے رہنے سے ۲۰ رحمتیں روزانہ حاصل ہوتی ہیں۔ ویسے جماعت میں بھی میں اس کا خیال رکھتا کہ حالت نماز میں قیام ممکن ہو تو یوں ہو کر خانہ کعبہ سامنے تو ضرر رہتا ہی اسے دیکھتا بھی رہ سکوں!

مدینۂ منورہ میں بھی خالی ہوتا تو میرا اسی قسم کے خیالات میں وقت گزرتا۔ مثلاً وہاں امن بزرگی کے خشیت رسولؐ پر عش عش کرتا جنھوں نے اس خیال سے کہ قفقوا

کے اس پسندیدہ شہر کی گلیوں میں چپہ چپہ پر آپؐ نے قدم رنجہ فرمایا ہوگا لہٰذا جوتیاں پہننے کو سخت بے ادبی اور حضورؐ کی شان میں گستاخی سمجھی۔ چنانچہ تمازت آفتاب یا راستوں کے کنکروں پتھروں سے مستانہ وار بے نیاز ہو کر ننگے پاؤں چلنا پھرنا اپنا شعار بنا لیا تھا۔ کیا دنیا کی تاریخ حضورؐ پیغمبر اسلام کے سوا کسی اور شخصیت کی مثال پیش کر سکتی ہے جس کا اس کے کسی پیرو اور شیدائی نے اتنا اور ایسا زبردست احترام کیا ہو؟

دوران قیام سرزمین سعودی عرب ناچیز راقم کو ایسے ہی کسی وقت میں یہ سوچنے کا موقع بھی ملا کہ ایک مسلمان دن کے چوبیس گھنٹوں میں ۴۸ بار رکوع میں جھک کر اور ۹۸ بار سجدوں میں گر کر خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں اس دنیا میں صحیح رہنمائی اور آخرت میں نجات حاصل کرنے کے لئے کم از کم ۱۷ بار درخواست کرتا ہے گویا اوسطاً ہر نصف گھنٹہ بعد یعنی اگر صرف پانچ نمازیں یومیہ پڑھی جائیں تو ہر رکعت میں سورت الحمد میں ''[اے اللہ] ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔ ہمیں صراط مستقیم (پر چلنے) کی ہدایت فرما، ان لوگوں کی راہ (پر) جن پر تو نے انعام فرمایا نہ کہ اُن کی راہ (پر) جو تیرے غضب میں آئے یا بھٹکے ہوئے ہیں'' پڑھ کر نیز بعد ہر فرض رکعت اور خاتمہ نماز پر ہاتھ اٹھا کر ایسی ہی دوسری دعاؤں کے ذریعہ۔ کوئی مجھے بتائے کس مذہب کے پیرو خداوند تعالیٰ کے حضور اتنی عاجزی سے اور اتنے تسلسل کے ساتھ دعا طلبی کرتے ہیں؟ اب جب یہ صورت ہے تو پھر مسلمان اپنی روزمرہ کی زندگی میں آخر اپنے دین سے اس قدر غافل اور بے پروا بلکہ بعض صورتوں میں مجھے یہ کہنے میں باک نہیں کہ بے دین کیوں ہے! وہ نماز پڑھنے کے بعد کاروبار حیات میں مصروف ہوتے ہی اپنی ساری دعائیں کیوں اور کیسے

Marfat.com

بھول جاتا ہے؟

یہ تو نہ صرف اپنے ہی ہاتھوں اپنی بربادی والا معاملہ ہوا بلکہ منافقت بھی ہوئی۔ یہ تو میرے منہ میں خاک۔ آج سے چودہ سو برس پہلے کا کچھ اسی قسم کا دوغلا رویہ ہوا جو کفار اور مشرکین مدینہ نے مسلمانوں کے ساتھ اختیار کر رکھا تھا جیسے قرآن پاک میں یوں بیان فرمایا گیا ہے" اور منافق جب مسلمانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے اور جب اپنے شیطانوں کے ساتھ (یعنی کافروں اور منافقوں کے ساتھ) تنہا ہوتے ہیں تو کہتے ہیں بے شک ہم تو (مسلمانوں کا) مذاق اڑاتے ہیں" (پارہ الم ۱، سورہ البقرہ ۲ "فیوض القرآن" ترجمہ و تشریح ڈاکٹر حامد حسن بلگرامی۔ منافقت کے معنی آپؐ نے یہ بتائے ہیں" زبان دل کی ترجمان نہ ہو اور فعل امر کے تحت نہ ہو")۔ اسی طرح کی اور آیتیں ہیں۔ ایک یہ بھی ہے "جب آپ کے پاس منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بے شک اللہ کے رسولؐ ہیں۔ تو اللہ کو تو یہ معلوم ہی ہے کہ آپ اس کے رسولؐ ہیں لیکن اللہ (اس کی بھی) گواہی دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں۔۔۔ یہ اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ ایمان لے آئے پھر کافر ہو گئے۔" (پارہ قد سمع اللہ ۲۸، سورۃ المنافقون ۶۳، رکوع ۱) مولانا عبدالماجد اس آیت کے آخری حصّہ کے سلسلے میں فرماتے ہیں "یعنی پہلے مومنین کے سامنے اپنے ایمان کا اظہار کیا پھر اپنے رازداروں کی مجلس میں جا کر کلمات کفر کہے"۔ توبہ۔ توبہ۔ تو پھر کیا یہ ہزار درجہ، لاکھ درجہ بڑھ کر منافقت نہیں ہوئی کیوں کہ کسی اور کو نہیں یہ تو اپنے خالق حقیقی اور ربّ العزت کو دھوکہ دینا ہوا۔

اور یہ خیال آتے ہی دل ٹکڑے ٹکڑے ہونے لگتا اور اس غم کا کوئی مداوا سمجھ میں نہ آتا۔

Marfat.com

دل کے ٹکڑوں کو بغل بیچ لیئے پھرتا ہوں
کچھ علاج ان کا بھی اے شیشہ گراں ہے کہ نہیں (سودا)

اور دعا کرتا کہ اے میرے مالک مسلمانوں پر رحم کر، ہماری اصلاح فرما، ہمیں دنیا میں سیدھا راستہ دکھا، ہماری آخرت بخیر کر...

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

خدا عنبریں کرے علامہ اقبالؒ کی تربت کو کہ حالتِ نماز کا کیسا سچا اور جیتا جاگتا مرقع ان اشعار میں کھینچ دیا ہے جس کی نظیر شاید ہی کسی اور مذہب میں مل سکے۔ اس نقشہ کا جتنا صحیح عکس حج بیت اللہ شریف کے سلسلے میں حرمین شریفین کے دورانِ قیام کی نمازوں میں نظر آتا ہے اتنا کسی اور موقع اور دنیا کے کسی دوسرے مقام کی نمازوں میں نہیں آتا۔ کس قدر ہوتی تھی مسرت، کیسی وجد میں آتی تھی روح اور کتنا تازہ ہوتا تھا ایمان یہ دیکھ کر کہ ہر نماز کی ہر جماعت میں دنیا کے ہر حصہ کے ہر وضع و قطع، ہر مکتبۂ فکر اور ہر حیثیت کے مسلمان لاکھوں کی تعداد میں شریک ہوتے تھے۔ وہاں ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے والے بھی تھے، ہاتھ چھوڑ کر پڑھنے والے بھی، رفع یدین کرنے والے بھی تھے اور آمین بالجہر کہنے والے بھی، داڑھی رکھنے والے بھی تھے اور بغیر داڑھی والے بھی، سر ڈھانک کر نماز پڑھنے والے بھی تھے اور حالتِ احرام میں ننگے سر پڑھنے والے بھی، امیر سے امیر نمازی بھی تھے اور غریب الغربا بھی۔ اسی طرح دور مشرق بالخصوص انڈونیشیا کے صاف

ستھرے چہروں والے اور سفید یکساں یونیفارم میں ملبوس مگر چھوٹے قدوالے مسلمان بھی تھے اور افریقی ممالک کے سیاہ شکلوں، رنگ برنگی ڈھیلی ڈھالی قباؤں، لمبی لمبی قامتوں اور چوڑے چکلے سینوں والے بھی۔ سچ پوچھیے تو دنیا کا کون سا علاقہ تھا اور کون طبقہ یا کون سی وضع تھی جس کے مسلمانوں کی نمائندگی حرمین شریفین میں نہیں تھی۔ یہ بوقلموں نظارہ جہاں اسلام کی وسیع القلبی اور عالم گیر حیثیت کا ثبوت بہم پہنچاتا تھا وہیں اسے بلاشبہ حکومت سعودی عرب کے دل کی کشاد اور اُن کی صحت مند اور وسیع النظر حکمت عملی کی دلیل بھی سمجھنا چاہیئے۔

ایک طرف یہ سب تھا اور دوسری طرف دل رہ رہ کر اس خیال سے کڑھتا تھا کہ آخر مسلمانوں کا یہ اتفاق و اتحاد صرف حج کے موقع کے لیئے مخصوص ہو کر کیوں رہ گیا ہے۔ حج کے بعد کیا ہوتا ہے بلکہ عین زمانۂ حج میں بھی عالم اسلام کے مختلف اقطاع میں کیا حال تھا؟ ملک ملک کے درمیان افتراق، انتشار اور جنگ بلکہ ایک ہی ملک کے مختلف علاقوں اور باشندوں کے درمیان نفسا نفسی، کشمکش اور فساد۔ مختصراً یا تو ایک ملک کی طرف سے دوسرے کی غارت گری یا ایک مسلمان کے ہاتھوں دوسرے کی جان، مال، عزت اور آبرو کی بربادی! میں نے حرمین شریفین میں حج کے دوران مسلمانان عالم کے عظیم الشان اجتماع کا ذکر کیا ہے جو ایک ہی بلند اور مبارک مقصد لے کر آئے تھے مگر کس کرب اور تڑپ کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس موقع پر بعض علاقوں کے مسلمان وہاں بھی فتنہ کھڑا کرنے کے ارادہ سے خالی نہ تھے بلکہ چھیڑ چھاڑ بھی ہوئی۔ اس صورت حال کو حکومت نے بڑی دانشمندی اور خوش تدبیری سے سنبھالا۔

مگر ایسا کیوں تھا؟ کیا خدانخواستہ مسلمانوں کو قرآن پاک کے احکام اور حضور کے ارشادات پر یقین نہیں تھا۔ نہیں ایسا تو نہیں تھا۔ اسلام کے نام پر اپنی

Marfat.com

جان فدا کرنے کو تو آج بھی ہر مسلمان اپنی بہترین سعادت اور نجات کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ تعلیمات اسلامی کی صداقت کی طرف سے خدانخواستہ ذراسی بھی بدگمانی ہوتی یا ایمان میں ذرہ برابر خلل ہوتا تو اتنی کثیر تعداد میں ہر سال مسلمان حج کرنے کیوں آتے اور جو نہیں آسکتے وہ کفِ افسوس کیوں ملتے اور انھیں حج کی سعادت حاصل کرنے کی برابر تمنا کیوں رہتی ہے۔ تو کیا انھیں یہ نہیں معلوم کہ مسلمان مسلمان کے درمیان تعلقات کے بارے میں قرآنی احکام کیا ہیں اور حضورؐ نے ان کے بارے میں کیا فرمایا ہے۔

قرآن پاک نے تو مسلمانوں کو اتفاق کی تعلیم دی ہے "اور اللہ کی رسی سب مل کر مضبوط تھامے رہو اور باہم نااتفاقی نہ کرو" (لن تنالوہ۔ سورۃ آل عمران ۳)۔ آگے یاد دلایا ہے کہ آغاز اسلام میں "نااتفاقی کی وجہ سے تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے سو اس نے (ہم نے تمھیں) بچالیا"۔ پھر فرمایا "اور ایمان والے اور ایمان والیاں ایک دوسرے کے (دینی) رفیق ہیں۔ نیک باتوں کا (آپس میں) حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں" (واعلموا ۱۰۔ سورۃ التوبہ ۹)۔ قرآن نے مقابلہ، مجاہدہ، مجادلہ تو مسلمانوں کو کافروں سے کرنے کو کہا ہے آپس میں تو مسلمانوں کو نرمی، آشتی اور صلح کے ساتھ رہنے کا حکم دیا ہے۔ وہ فرماتا ہے "محمد اللہ کے پیغمبر ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ تیز ہیں (عربی لفظ اشِدّآءُ ہے جس کے معنی تفسیر میں مولانا ماجد نے دیئے ہیں نہ جھکنے والے، نہ ہار ماننے والے، دل کے مضبوط) کافروں کے مقابلے میں (اور) مہربان ہیں آپس میں" (حٰمٓ ۲۶ سورۃ الفتح ۴۸)۔

اور سب سے بڑھ کر قرآن نے مسلمانوں کے آپس کے تعلقات کے بارے میں ایک مستقل لائحہ عمل مقرر فرمادیا یعنی "اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں جنگ

Marfat.com

کرنے لگیں تو اُن کے درمیان اصلاح کردو۔ پھر اگر اُن میں کا ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو اس سے لڑو جو زیادتی کر رہا ہے یہاں تک کہ وہ رجوع کرے اللہ کے حکم کی طرف۔ پھر اگر وہ رجوع کرے تو اُن کے درمیان اصلاح کردو عدل کے ساتھ اور انصاف کا خیال رکھو۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ بے شک مسلمان (آپس میں) بھائی بھائی ہیں۔ سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان اصلاح کردیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحمت کی جائے" (حمٓ ۲۶ سورۃ الحجرات ۶ ۴) مولانا ماجد نے اپنی تفسیر میں مسلمانوں کے آپس میں بھائی بھائی ہونے کے سلسلے میں لکھا ہے کہ یہاں عربی میں لفظ اخوۃ جو آیا ہے وہ اخ کی جمع ہے جس کے معنی سگے بھائی کے ہوتے ہیں۔ رشتے کے بھائیوں کے لیے عربی میں اخوان استعمال کرتے ہیں، تو گویا قرآنی احکام کے مطابق مسلمان مسلمان بمنزلہ حقیقی بھائی ہیں۔

اور حضورؐ کے ارشادات کیا ہیں" تم میں سے کوئی ایمان والا نہیں جب تک اپنے بھائی کے لیے بھی وہی نہ چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے"۔ و نیز کسی مسلمان کا مسلمان کو سخت سست کہنا بُرا ہے اور اس سے لڑائی بمنزلہ کفر ہے (حوالہ تفسیر ماجدی)۔ سب سے بڑھ کر حضورؐ کا خطبہ حجۃ الوداع ہے جس میں ہے "مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ مسلمان کی جان اور مسلمان کا مال اور مسلمان کی عزت و آبرو تا قیام قیامت اسی طرح قابل احترام ہے جس طرح ذی الحجۃ کا نواں دن محترم ہے۔ میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ مسلمان مسلمان کا گلا کاٹنے لگے۔ تمھیں اللہ کے آگے پیش ہونا ہے اور تم سب سے تمھارے ایک ایک عمل کی بازپرس کی جائے گی" (حیاتِ سرورِ کائنات، ملا واحدی)۔ واضح ہو کہ یہ اتنی ضروری ہدایات تھیں کہ حضورؐ نے ۹ ذی الحجہ کو میدان عرفات میں ال

کو بیان فرمایا تھا اور ۱۰ ذی الحجہ کو میدان منیٰ میں انھیں دُہرایا۔

تو پھر ان ارشادات و احکام کے ہوتے ہوئے یہ ہماری کیسی بدبختی ہے کہ ہم صراط مستقیم سے اتنی دور جا پڑے ہیں۔ آپس میں مسلمانوں کے غیر متحد (بلکہ ہائے غضب! ایک دوسرے کے دشمن اور ایک دوسرے سے برسرپیکار) ہونے کا تو رونا تھا ہی ہماری نا اتفاقی کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ ہمیں کمزور پا کر دشمن طاقتیں ہمیں صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر دینا چاہتی ہیں۔ مزا یہ ہے کہ انھیں اپنے یہ ناپاک مقاصد حاصل کرنے کے لیئے وسایل بھی ہمارے ہی درمیان مل جاتے ہیں یعنی وہ یا تو ہمیں اپنا آلۂ کار بنا لیتی ہیں یا ہماری دیواروں میں رخنے ڈالنے میں کامیاب ہو جاتی ہیں۔ ہماری اسی کمزوری کے باعث جن غیر مسلم علاقوں میں مسلمان نسلاً بعد نسلاً بستے چلے آ رہے ہیں اور جن سرزمینوں کو انھوں نے اپنا وطن بنا رکھا ہے اور جہاں ان کے آبا و اجداد نے اپنی زندگیاں گزاریں وہاں اُن پر بدترین مظالم توڑے جا رہے ہیں، ان کو وہاں نسلی اعتبار سے ختم کیا جا رہا ہے یا وہ وہاں سے نکالے جا رہے ہیں یا نکالے جا چکے ہیں اور انتہائی بے سروسانی کے عالم میں اور بے عزتی کے ساتھ دربدر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ ساتھ ہی بعض مسلم علاقوں اور ریاستوں اور خاص کر ہمارے قبلۂ اوّل پر اغیار کا قبضہ ہے!!

• کیا اس میں کوئی شک ہو سکتا ہے کہ اگر آج ہماری ۴۴ مسلم ریاستیں جن میں بعض کو یقیناً آگے بڑھنے کی تائید غیبی بھی حاصل ہے۔ خدا کی رسی کو مضبوط تھام کر اور دین کی سربلندی کی خاطر (آپا دھاپی اور نفسا نفسی کے لیئے نہیں) عالم گیر پیمانہ پر متحد ہو جائیں جیسا کہ ہم چودہ سو سال پہلے اپنے آغاز سفر میں تھے، تو ہم بہ مصداق ؎

Marfat.com

کیوں پھر نہ صفیں قیصر و کسریٰ کی اُلٹ دیں
آخر تو وہی ہم ہیں غلامانِ محمدؐ!

(جبلئے قدوائی)

بلاشبہ نہ صرف اپنی موجودہ بدترین صورتِ حال کو ختم کر سکتے ہیں بلکہ امن وفجور اور قتل و غارت گری کی دنیا میں وہ انقلاب لا سکتے ہیں جس میں احکامِ خداوندی کے مطابق شرافت، مساوات، صداقت، عدل و انصاف، خدمتِ خلق، انسانیت، راست بازی، ایثار اور اصول پرستی کی زندگی گزار کر اور دوسروں کو ایسی زندگی گزارنے کا سبق دے کر صحیح نیابتِ الٰہی کا فرض ادا کر سکتے ہیں اور اس طرح خدا سے سرخرو ہو کر بعد کی آنے والی زندگی کے لیئے کہ لازمی اور ابدی ہے حسن وخوبی کے ساتھ تیار ہو سکتے ہیں، جو عین منشائے الٰہی ہے۔

بے شک عالم اسلام میں اپنی بدحالی سے متاثر ہو کر کچھ عرصے سے ہلچل مچی ہوئی ہے بیداری پیدا ہو رہی ہے اور مختلف جہتوں، سطحوں اور محاذوں پر اتحاد کے سلسلے میں کام ہو رہا ہے مگر ضرورت ہے کہ اس کی رفتار تیز تر کی جائے اور جیسا کہ اور پر عرض کیا فی سبیل اللہ ہو یعنی رضائے الٰہی اور احکام دین کے پھیلاؤ کے لیئے ہو... اور میں چاہوں گا کہ اس عظیم فرض کی ادائی میں اپنے اپنے علاقوں اور حلقہ ہائے اثر میں جن جن حضراتِ حجاج کو خدا توفیق دے وہ بہ طور ایک مستقل فرض کے اور باقاعدہ تنظیم کے ماتحت حصہ لیں اور رائے عامہ کو بیدار اور اتحاد کی اشاعت و تبلیغ کو عام کرتے رہیں، نہ صرف اپنی عاقبت خیر مناتے رہیں، اور ممکن ہو تو زعمائے وقت اور صاحبانِ اقتدار کو توجہ دلاتے رہیں کہ اس میں ہم سب کے لیئے فلاحِ دارین ہے!

حج بیت اللہ کے فوائد میں سے ایک قابلِ ذکر فائدہ جناب مولانا سعید الدین شیر کوٹی صاحب سے میری ملاقات ہے۔ مولانا کو ٹی وی پر پشاور کے بعض مذہبی، غالباً "بعثتِ انبیاء" جیسے کسی قسم کے پروگرام کے سلسلہ تقاریر میں دیکھ اور سُن چکا تھا۔ ایک دن حرم شریف میں موصوف سے بالکل غیر متوقع طور پر مل کر بے انتہا مسرت ہوئی۔ اہلِ قال کم، اہلِ حال اور صاحب باطن زیادہ معلوم ہوئے۔ آپ سے مختلف مسائل دینی و دنیوی پر تبادلۂ خیال رہا۔ اور میری بعض ذہنی اُلجھنوں کا آپ کی مشاورت سے ازالہ ہوا۔ شاعر بھی ہیں۔ آپ نے مکۂ معظمہ کے دوران قیام میں کہے ہوئے اپنے چند نعتیہ اشعار مجھے سننے کا شرف بخشا۔ میں نے بھی اپنے کچھ اشعار گوش گذار کئے۔ انہیں پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہوئے فرمایا۔ "آپ کا شمار تو اساتذہ میں ہے۔" یہاں موصوف کی ایک غزل ہم دونوں کے ایام قیام حجاز کی یادگار کے طور پر پیش کی جاتی ہے ؎

رفیقی! یاں کا عالم اور ہی کچھ ہے جہاں میں ہوں
ابھی تک تو اسی حیرت میں ہوں کیسے یہاں میں ہوں

مقاماتِ تحیّر میں خرد حیران بیٹھی ہے
ابھی تو پوچھتا ہوں خود سے بتا میں خود کہاں میں ہوں

بُتِ پندار سنگِ آستاں پر ریزہ ریزہ ہے
یہی نام و نشاں ہے اب کہ بے نام و نشاں میں ہوں

یقیں پیدا کئے بن ہی یہاں ایقان کامل ہے
نہ ممنون ظن و تخمیں نہ مغلوبِ گماں میں ہوں

حرم میں شان و انداز تلاوت ہی نرالا ہے
کہ جیسے بولتے وہ خود ہیں اور انکی زباں میں ہوں

Marfat.com

کر دیا معراج ملتی ہے

نہ محدودِ مکاں ہوں میں نہ پابندِ زماں میں ہوں

سعیدؔ اب داغِ عصیاں دُھل ہی جائیں گے مرے سارے

وہ فرماتے ہیں خود رحمت کا بحرِ بیکراں میں ہوں

یہ تو معلوم ہے کہ خداوند تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق ہم حج بیت اللہ سے مشرف ہونے گئے تھے نہ کہ شعر و شاعری کرنے یا کسی مشاعرے میں شریک ہونے، نہ ان "فضولیات" کے لیے اس زمانے میں فرصت تلاش کرنے کا سوال پیدا ہوتا تھا مگر قدرتی طور پر حضور کے ساتھ عقیدت دل و دماغ پر اس قدر غالب تھی کہ طبیعت موزوں ہو جانے پر تعجب نہ ہونا چاہیئے۔ میں اپنے کچھ اشعار اصل کتاب میں پیش کر چکا ہوں مگر ابھی ابھی اپنے سفر مبارک کی ڈائری میں مدینہ منورہ پہنچنے کے موقع پر کہے ہوئے چند اور متفرق اشعار نظر آگئے۔ وہ یہاں پیش ہیں۔ معلوم نہیں صحیح بھی ہیں ؎

صد شکر مدینہ کی جو صورت نظر آئی
از مسجدِ نبوی میں ہوئی میری رسائی

ہو ہی گئی اک عمر پہ آج ان کی رضا سے
مجھ جیسے گنہگار کی اس در پہ رسائی

سرکارِ دو عالم نے بلایا تو میں آیا
قسمت مری چمکائی انھوں نے تو وہ لائی

اے سرورِ کونین یہ کیا دیکھ رہا ہوں
خود کو درِ اقدس پہ کھڑا دیکھ رہا ہوں

صدقہ ہے حضوری کا کہ دیکھا تھا جو اب تک
قدموں پہ پڑا اس سے سوا دیکھ رہا ہوں

یہ سطریں لکھتے لکھتے سفرِ حج کے شب و روز آنکھوں کے سامنے آگئے اور اسی حالت میں یہ مقطع ہو گیا اور اسی پر یہ تحریر ختم ہے ؎

اک سفر پھر حرم پاک کا کر لوں میں جلیلؔ
زندگی اور جو دے مجھ کو خدا تھوڑی سی!

ا — حج I جلیل قدوائی مرحوم

آ ۔۔۔

کیفیاتِ حجِ بیت اللہ

از

(بیگم) ہُرمُزی جلیل قدوائی

تصریحات و اضافی معروضات

از

جلیل قدوائی

ادارۂ نگارش و مطبوعات
سی/۵، کوزی ہومز، گلشنِ اقبال،
کراچی ۴۷
(پاکستان)

Marfat.com